ماہنامہ

موازنۂ مذاہب

ISSN: 20491131

ایڈیٹر: محفوظ الرحمان

اگست 2026ء | ظہور 1405 ہجری شمسی | صفر 1448 ہجری قمری | جلد 15 نمبر 08

https://www.alislam.org/periodical/muwazna-e-madhahib

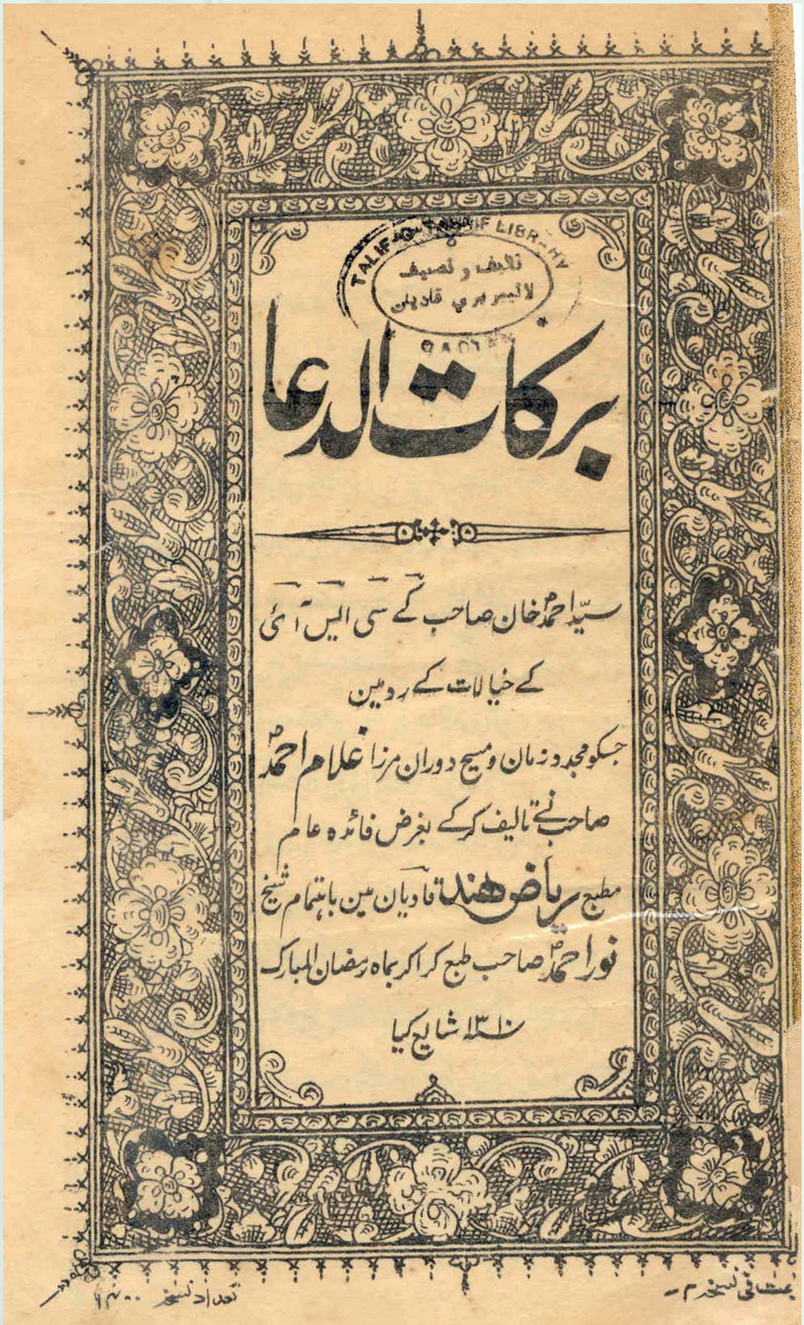

TALIF-O-TASNIF LIBRARY QADIAN
تالیف و تصنیف
لائبریری قادیان

برکات الدعا

سیّد احمدؐ خان صاحب کے سی ایس آئی
کے خیالات کے رد مین
جسکو مجدد زمان و مسیح دوران مرزا غلام احمدؐ
صاحب نے تالیف کر کے بغرض فائدہ عام
مطبع ریاض ہند قادیان مین باہتمام شیخ
نور احمدؐ صاحب طبع کرا کر بماہ رمضان المبارک
سنہ ۱۳۱۱ شایع کیا

قیمت فی نسخہ ۲
تعداد نسخہ ۱۴۰۰

ٹائٹل طبع اول "برکات الدّعا"

تفصیلی تعارف کے لئے دیکھیں صفحہ 13 رسالہ ہٰذا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

اداریہ: چوتھی شرط بیعت	2
ارشادِ باری تعالیٰ: دعا کی قبولیت خدا کی ہستی کی علامت	5
ارشاد نبوی ﷺ: جب بندہ اللہ کے حضور اپنے ہاتھ بلند کرتا ہے تو اللہ ان کو ناکام واپس کرتے ہوئے شرماتا ہے	6
اِمامُ الکلام علیہ الصلوٰۃ والسلام: دعا اور استجابت میں ایک رشتہ	7
کلامُ الاِمام: ”اگر اللہ تعالیٰ کا پیار حاصل کرنا ہے تو ہر چیز کے حصول کے لئے اسی خدا کو پکارنے کی ضرورت ہے۔“	9
تعارف کتب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام: برکاتُ الدعا (اے۔ولیم)	13
مستشرقین و دیگر کے اعتراضات اور ان کے جوابات، از افاضات حضرت مرزا مسرور احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ع۔س۔اختر)	33
قرآن مجید کے حسن و جمال کا تذکرہ روحانی خزائن میں (قسط چہارم) (سید میر محمود احمد ناصر صاحب۔مرحوم)	45
سیرت حضرت مسیح موعودؑ: حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت و سوانح پر 79 کے قریب لکھی جانے والی کتب کا تعارف (قسط سوم) (اے ولیم)	68
ہستی باری تعالیٰ کا ایک ناقابل تردید ثبوت۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قبولیت دعا (ابو محسن۔عبد اللہ)	83

ماہنامہ

موازنۂ مذاہب

اگست 2026ء | ظہور 1405 ہجری شمسی

صفر 1448 ہجری قمری

جلد 15 نمبر 08

ISSN: 20491131

ایڈیٹر: محفوظ الرحمان

اداریہ

چوتھی شرط بیعت

”یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔“

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3، صفحہ 564)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور دھوکہ دینے کے لئے قیمت نہ بڑھاؤ اور نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو نہ ہی ایک دوسرے سے بے رُخی کرو اور تم میں سے کوئی کسی کے سودے پر سودا نہ کرے اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔ **مسلمان مسلمان کا بھائی** ہے نہ تو وہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ ہی اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے نہ ہی اس کی تحقیر کرتا ہے۔ اور آپؐ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا تقویٰ یہاں ہے۔ آدمی کے لئے یہی شر کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔ ہر مسلمان کا خون اس کا مال اور اس کی عزّت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔

(مترجم صحیح مسلم جلد 13 صفحہ نمبر 225)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”میں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں باہم نزاعیں بھی ہو جاتی ہیں اور معمولی نزاع سے پھر ایک دوسرے کی عزت پر حملہ کرنے لگتا ہے اور اپنے بھائی سے لڑتا ہے یہ بہت ہی نامناسب حرکت ہے یہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ ایک اگر اپنی غلطی کا اعتراف کر لے تو کیا حرج ہے۔ بعض آدمی ذرا ذرا سی بات پر دوسرے کی ذلت کا اقرار کئے بغیر پیچھا نہیں چھوڑتے ان باتوں سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ خدا تعالیٰ کا نام ستار ہے۔ پھر یہ کیوں اپنے بھائی پر رحم نہیں کرتا اور عفو اور پردہ پوشی سے کام نہیں لیتا۔ چاہئے کہ اپنے بھائی کی پردہ پوشی کرے اور اس کی عزت و آبرو پر حملہ نہ کرے۔

ایک چھوٹی سی کتاب میں لکھا دیکھا ہے کہ ایک بادشاہ قرآن لکھا کرتا تھا۔ ایک ملّا نے کہا کہ یہ آیت غلط لکھی ہے۔ بادشاہ نے اس وقت اس آیت پر دائرہ کھینچ دیا کہ اس کو کاٹ دیا جائے گا۔ جب وہ چلا گیا تو اس دائرہ کو کاٹ دیا۔ جب بادشاہ سے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا تو اس نے کہا کہ دراصل وہ غلطی پر تھا مگر میں نے اس

وقت دائرہ کھینچ دیا کہ اس کی دلجوئی ہو جاوے۔"(ملفوظات جلد 6 صفحہ 65 ایڈیشن 2022ء)

نیز ایک اور جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"**دیکھو وہ جماعت جماعت نہیں ہو سکتی جو ایک دوسرے کو کھائے۔** اور جب چار مل کر بیٹھیں تو ایک اپنے غریب بھائی کا گلہ کریں اور نکتہ چینیاں کرتے رہیں اور کمزوروں اور غریبوں کی حقارت کریں اور ان کو حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھیں۔ ایسا ہرگز نہیں چاہیئے۔ بلکہ اجماع میں چاہیئے کہ قوت آجاوے اور وحدت پیدا ہو جاوے جس سے محبت آتی ہے اور برکات پیدا ہوتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ ذرا ذرا سی بات پر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مخالف لوگ جو ہماری ذرا ذرا سی بات پر نظر رکھتے ہیں۔ معمولی باتوں کو اخباروں میں بہت بڑی بنا کر پیش کر دیتے ہیں اور خلق کو گمراہ کرتے ہیں لیکن اگر اندرونی کمزوریاں نہ ہوں تو کیوں کسی کو جرأت ہو کہ اس قسم کے مضامین شائع کرے اور ایسی خبروں کی اشاعت سے لوگوں کو دھوکا دے۔ کیوں نہیں کیا جاتا کہ اخلاقی قوتوں کو وسیع کیا جاوے۔ اور یہ تب ہوتا ہے کہ جب ہمدردی، محبت اور عفو اور کرم کو عام کیا جاوے۔ اور تمام عادتوں پر رحم، ہمدردی اور پردہ پوشی کو مقدم کر لیا جاوے۔ ذرا ذرا سی بات پر ایسی سخت گرفتیں نہیں ہونی چاہئیں جو دل شکنی اور رنج کا موجب ہوتی ہیں۔ یہاں مدرسہ ہے مطمع ہے مگر کیا اصل اغراض ہمارے یہی ہیں۔ یا اصل امور اور مقاصد کے لئے بطور خادم ہیں؟ کیا ہماری غرض اتنی ہی ہے کہ یہ لڑکے پڑھ کر نوکریاں کریں یا کتابیں بیچتے رہیں۔ یہ تو سِفلی امور ہیں ان سے ہمیں کیا تعلق۔ یہ بالکل ابتدائی امور ہیں۔ اگر مدرسہ چلتا رہے تب بھی بنظر ظاہر بیس برس تک بھی یہ اس حالت تک نہیں پہنچ سکتا جو اس وقت علی گڑھ کالج کی ہے۔ یہ امر دیگر ہے کہ اگر خدا چاہے تو ایک دم میں اسے علی گڑھ کالج سے بھی بڑا بنا دے۔ مگر ہماری ساری طاقتیں اور قوتیں اسی ایک امر میں خرچ ہو جانی ضروری نہیں ہیں۔

ہماری جماعت کو سرسبزی نہیں آئے گی جب تک وہ آپس میں سچی ہمدردی نہ کریں۔ جس کو پوری طاقت دی گئی ہے وہ کمزور سے محبت کرے۔ میں جو یہ سنتا ہوں کہ کوئی کسی کی لغزش دیکھتا ہے تو وہ اس سے اخلاق سے پیش نہیں آتا۔ بلکہ نفرت اور کراہت سے پیش آتا ہے۔ حالانکہ چاہیئے تو یہ کہ اس کے لئے دعا کرے۔ محبت کرے اور اسے نرمی اور اخلاق سے سمجھائے مگر بجائے اس کے کینہ میں زیادہ ہوتا ہے۔ اگر عفو نہ کیا جائے۔ ہمدردی نہ کی جاوے۔ اس طرح پر بگڑتے بگڑتے انجام بد ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو یہ منظور نہیں۔ جماعت تب بنتی ہے کہ بعض بعض کی ہمدردی کرے، پردہ پوشی کی جاوے۔ جب یہ حالت پیدا ہو تب ایک وجود ہو کر ایک دوسرے کے جوارح ہو جاتے ہیں اور اپنے تئیں حقیقی بھائی سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔ ایک شخص کا بیٹا ہو اور اس

سے کوئی قصور سرزد ہو تو اس کی پردہ پوشی کی جاتی ہے اور اس کو الگ سمجھا یا جاتا ہے۔ بھائی کی پردہ پوشی کبھی نہیں چاہتا کہ اس کے لئے اشتہار دے۔ پھر جب خدا تعالیٰ بھائی بناتا ہے تو کیا بھائیوں کے حقوق یہی ہیں؟ دنیا کے بھائی اخوت کا طریق نہیں چھوڑتے۔ میں مرزا نظام الدین وغیرہ کو دیکھتا ہوں کہ ان کی اباحت کی زندگی ہے۔ مگر جب کوئی معاملہ ہو تو تینوں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ فقیری بھی الگ رہ جاتی ہے۔ بعض وقت انسان جانور، بندر یا کتے سے بھی سیکھ لیتا ہے۔ یہ طریق نامبارک ہے کہ اندرونی پھوٹ ہو۔ خدا تعالیٰ نے صحابہ کو بھی یہی طریق و نعمت اخوت یاد دلائی ہے۔ اگر وہ سونے کے پہاڑ بھی خرچ کرتے تو وہ اخوت ان کو نہ ملتی جو رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ان کو ملی۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے اور اسی قسم کی اخوت وہ یہاں قائم کرے گا۔ خدا تعالیٰ پر مجھے بہت بڑی امیدیں ہیں۔ اس نے وعدہ کیا ہے۔ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ (آل عمران:56) میں یقیناً جانتا ہوں کہ وہ ایک جماعت قائم کرے گا جو قیامت تک منکروں پر غالب رہے گی۔ مگر یہ دن جو ابتلا کے دن ہیں اور کمزوری کے ایام ہیں ہر ایک شخص کو موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنی اصلاح کرے اور اپنی حالت میں تبدیلی کرے۔ دیکھو ایک دوسرے کا شکوہ کرنا، دل آزاری کرنا اور سخت زبانی کر کے دوسرے کے دل کو صدمہ پہنچانا اور کمزوروں اور عاجزوں کو حقیر سمجھنا سخت گناہ ہے۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 143، 144 ایڈیشن 2022ء)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بیان فرماتے ہیں:

"پھر ایک عہد ہم نے یہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عام مخلوق کو تکلیف نہیں دیں گے۔

(ماخوذ از ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 564)

پھر یہ عہد ہے کہ مسلمانوں کو خاص طور پر اپنے نفسانی جوشوں سے ناجائز تکلیف نہیں دیں گے۔

(ماخوذ از ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 564)

جس حد تک عفو کا سلوک ہو سکتا ہے کرنا ہے۔ لیکن اگر مجبوری سے کسی کے حد سے زیادہ تکلیف دِہ رویّے کی وجہ سے اصلاح کی خاطر، ذاتی عناد کی وجہ سے نہیں، غصّے کی وجہ سے نہیں بلکہ اصلاح کی خاطر کسی کو سزا دینی ضروری ہے تو پھر اپنے ہاتھ میں معاملہ نہیں لینا بلکہ حکّام تک بات پہنچانی ہے۔ جو اصلاح بھی کرنی ہے صاحب اختیار نے کرنی ہے۔ ہر ایک کا کام نہیں کہ اصلاح کرتا پھرے۔ خود کسی سے بدلے نہیں لینے۔ عاجزی اور انکساری کو اپنا شعار بنانا ہے۔"

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ مورخہ 2 جنوری 2015ء، خطبات مسرور جلد 13 صفحہ 10)

ارشاد باری تعالیٰ

دعا کی قبولیت خدا کی ہستی کی علامت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَ یَکۡشِفُ السُّوۡٓءَ۔

(النمل:63)

ترجمہ از تفسیرِ صغیر: (نیز بتاؤ تو) کون کسی بے کس کی دعا سنتا ہے جب وہ اس (خدا) سے دعا کرتا ہے اور (اس کی) تکلیف کو دور کر دیتا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں ایک جگہ پر اپنی شناخت کی یہ علامت ٹھہرائی ہے کہ تمہارا خدا وہ خدا ہے جو بیقراروں کی دعا سنتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے: اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ۔ (النمل:63) پھر جب کہ خدا تعالیٰ نے دعا کی قبولیت کو اپنی ہستی کی علامت ٹھہرائی ہے تو پھر کس طرح کوئی عقل اور حیا والا گمان کر سکتا ہے کہ دعا کرنے پر کوئی آثار صریحہ اجابت کے مترتب نہیں ہوتے اور محض ایک رسمی امر ہے جس میں کچھ بھی روحانیت نہیں میرے خیال میں ہے کہ ایسی بے ادبی کوئی سچے ایمان والا ہرگز نہیں کرے گا جبکہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ جس طرح زمین و آسمان کی صفت پر غور کرنے سے سچا خدا پہچانا جاتا ہے اسی طرح دعا کی قبولیت کو دیکھنے سے خدا تعالیٰ پر یقین آتا ہے۔“

(ایام الصلح روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 259، 260)

ارشاد نبوی ﷺ

جب بندہ اللہ کے حضور اپنے ہاتھ بلند کرتا ہے تو اللہ ان کو ناکام واپس کرتے ہوئے شرماتا ہے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

”

عَنْ سَلْمَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ رَبَّكُمْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى حَيِيٌّ كَرِيْمٌ، يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَيْهِ، أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا۔

(سنن ابی داوٗد، کتاب تفریع ابواب الوتر، باب الدعاء، حدیث نمبر 1488)

اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو بڑا حیا والا ہے۔ بڑا کریم ہے، سخی ہے۔ جب بندہ اس کے حضور اپنے ہاتھ بلند کرتا ہے تو وہ ان کو خالی اور ناکام واپس کرتے ہوئے شرماتا ہے۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ مورخہ 26 نومبر 2004ء، خطبات مسرور جلد 2 صفحہ 850، 851)

“

اِمَامُ الْکَلَام علیہ الصلوٰۃ والسلام

دعا اور استجابت میں ایک رشتہ

حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی، بانیٔ جماعت احمدیہ مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”دعا اور استجابت میں ایک رشتہ ہے کہ ابتداء سے اور جب سے کہ انسان پیدا ہوا برابر چلا آتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کا ارادہ کسی بات کے کرنے کے لئے توجہ فرماتا ہے تو سنت اللہ یہ ہے کہ اس کا کوئی مخلص بندہ اضطرار اور کرب اور قلق کے ساتھ دعا کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور اپنی تمام ہمت اور تمام توجہ اس امر کے ہو جانے کے لئے مصروف کرتا ہے۔ تب اس مرد فانی کی دعائیں فیوض الٰہی کو آسمان سے کھینچتی ہیں اور خدا تعالیٰ ایسے نئے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ جن سے کام بن جائے۔ یہ دعا اگرچہ بعالم ظاہر انسان کے ہاتھوں سے ہوتی ہے مگر در حقیقت وہ انسان خدا میں فانی ہوتا ہے اور دعا کرنے کے وقت میں حضرت احدیت و جلال میں ایسے فنا کے قدم سے آتا ہے کہ اس وقت وہ ہاتھ اس کا ہاتھ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ یہی دعا ہے جس سے خدا پہچانا جاتا ہے اور اس ذوالجلال کی ہستی کا پتہ لگتا ہے۔ جو ہزاروں پردوں میں مخفی ہے۔ دعا کرنے والوں کے لئے آسمان زمین سے نزدیک آجاتا ہے اور دعا قبول ہو کر مشکل کشائی کے لئے نئے اسباب پیدا کئے جاتے ہیں اور ان کا علم پیش از وقت دیا جاتا ہے اور کم سے کم میخ آہنی کی طرح قبولیت دعا کا یقین غیب سے دل میں بیٹھ جاتا ہے۔ سچ یہی ہے کہ اگر یہ دعا نہ ہوتی تو کوئی انسان خدا شناسی کے بارے میں حق الیقین تک نہ پہنچ سکتا۔

دعا سے الہام ملتا ہے۔ دعا سے ہم خدا تعالیٰ کے ساتھ کلام کرتے ہیں جب انسان اخلاص اور توحید اور محبت اور صدق اور صفا کے قدم سے دعا کرتا کرتا فنا کی حالت تک پہنچ جاتا ہے تب وہ زندہ خدا اس پر ظاہر ہوتا ہے۔ جو لوگوں سے پوشیدہ ہے۔ دعا کی ضرورت نہ صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم اپنے دنیوی مطالب کو پاویں۔ بلکہ کوئی انسان بغیر ان قدرتی نشانوں کے ظاہر ہونے کے جو دعا کے بعد ظاہر ہوتے ہیں۔ اس سچے ذوالجلال خدا کو پا ہی نہیں سکتا۔ جس سے دل دور پڑے ہوئے ہیں۔ نادان خیال کرتا ہے کہ دعا ایک لغو اور بیہودہ امر ہے۔

مگر اسے معلوم نہیں کہ صرف ایک دعا ہی ہے جس سے خداوند ذوالجلال ڈھونڈنے والوں پر تجلّی کرتا اور اَنَا الْقَادِرُ کا الہام ان کے دلوں پر ڈالتا ہے۔ ہر ایک یقین کا بھوکا اور پیاسا یاد رکھے کہ اس زندگی میں روحانی روشنی کے طالب کے لئے صرف دعا ہی ایک ذریعہ ہے جو خدا تعالیٰ کی ہستی پر یقین بخشتا اور تمام شکوک و شبہات دور کر دیتا ہے۔ کیونکہ جو مقاصد بغیر دعا کے کسی کو حاصل ہوں وہ نہیں جانتا کہ کیونکر اور کہاں سے اس کو حاصل ہوئے۔ بلکہ صرف تدبیروں پر زور مارنے والا اور دعا سے غافل رہنے والا یہ خیال نہیں کر سکتا کہ یقیناً و حقاً خدا تعالیٰ کے ہاتھ نے اس کے مقاصد کو اس کے دامن میں ڈالا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص دعا کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ سے الہام پاکر کسی کامیابی کی بشارت دیا جاتا ہے وہ اس کام کے ہو جانے پر خدا تعالیٰ کی شناخت اور معرفت اور محبت میں آگے قدم بڑھاتا ہے اور اس قبولیت دعا کو اپنے حق میں ایک عظیم الشان نشان دیکھتا ہے اور اسی طرح پر وقتاً فوقتاً یقین سے پر ہو کر جذبات نفسانی اور ہر ایک قسم کے گناہ سے ایسا مجتنب ہو جاتا ہے کہ گویا صرف ایک روح رہ جاتا ہے لیکن جو شخص دعا کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کے رحمت آمیز نشانوں کو نہیں دیکھتا وہ باوجود تمام عمر کی کامیابیوں اور بے شمار دولت اور مال اور اسباب تنعم کے دولت حق الیقین سے بے بہرہ ہوتا ہے اور وہ کامیابیاں اس کے دل پر کوئی نیک اثر نہیں ڈالتیں بلکہ جیسے جیسے دولت اور اقبال پاتا ہے غرور اور تکبر میں بڑھتا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ پر اگر اس کو کچھ ایمان بھی ہو تو ایسا مردہ ایمان ہوتا ہے جو اس کو نفسانی جذبات سے روک نہیں سکتا اور حقیقی پاکیزگی بخش نہیں سکتا۔“

(ایام الصلح، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 239، 240)

کَلَامُ الْاِمَام

اگر اللہ تعالیٰ کا پیار حاصل کرنا ہے تو ہر چیز کے حصول کے لئے اسی خدا کو پکارنے کی ضرورت ہے

امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

’’اس مجیب خدا نے مختلف جگہوں پر دعا کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے اور اس کے سلیقے اور طریقے بھی سکھائے ہیں جن پر ہم میں سے ہر ایک کو عمل کرنا چاہئے کیونکہ اسی میں ہماری بقا ہے۔ اللہ تعالیٰ کس طرح ہمیں نوازنا چاہتا ہے۔ یہ بڑی بد قسمتی کی بات ہو گی کہ وہ تو ہمیں نوازنا چاہتا ہے لیکن ہم اس مجیب خدا کو نہ پکاریں بلکہ دوسروں کی طرف ہماری توجہ ہو اور پھر نہ پکار کر اس کے انعاموں سے محروم رہیں۔ خدا تعالیٰ تو اپنی مخلوق سے پیار کی وجہ سے ہمیں یہ راستے دکھاتا ہے۔ ورنہ اس کو ہماری پکار اور ہماری دعاؤں کی ضرورت تو نہیں ہے۔ بندہ ہے جس کو خدا سے تعلق کی، اس کی مدد کی ضرورت ہے، اس کو پکارنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قُلۡ مَا یَعۡبَؤُا بِکُمۡ رَبِّیۡ لَوۡ لَا دُعَآؤُکُمۡ (الفرقان:78) تو کہہ دے کہ اگر تمہاری دعا نہ ہوتی تو میرا رب تمہاری کوئی پرواہ نہ کرتا۔ پس اللہ کو بھی ان لوگوں کی پرواہ ہے جو دعا کرنے والے ہیں۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کا پیار حاصل کرنا ہے تو ہر چیز کے حصول کے لئے اسی خدا کو پکارنے کی ضرورت ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر تمہیں جوتی کا ایک تسمہ بھی چاہئے تو اس خدا سے مانگو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی انہیں الفاظ میں الہام ہوا تھا اور نظارہ دکھایا گیا تھا کہ بھیڑوں کی ایک لائن ہے جو زمین پر لیٹی ہوئی ہیں اور ایک شخص ان پر چھری پھیرتا چلا جاتا ہے اور ساتھ یہ کہتا ہے کہ تم تو بے حیثیت بھیڑیں ہی ہو، تمہاری حیثیت تو کوئی نہیں۔ پس یہ الہام بھی ہمیں اس بات کی طرف توجہ دلانے کے لئے ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ مانگتے رہنے والے ہوں اور اس امام سے جڑے رہتے ہوئے، اس کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے اس مجیب خدا کو پکارنے والے بنیں اور اس پر کامل ایمان لا کر اس کے حکموں پر عمل کریں اور ان لوگوں میں سے نہ بنیں جو مشکل کے وقت تو اپنے رب کو پکارتے ہیں اور آسانی اور آسائش میں بھول جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم لوگ سمندر میں، پانی میں پھنسے

ہوتے ہو تو پکارتے ہو، آہ وزاری کرتے ہو۔ جب وہ تمہیں خشکی میں لے آتا ہے تو پھر تم بھول جاتے ہو کہ خدا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

"**یاد رکھو کہ یہ اسلام کا فخر اور ناز ہے کہ اس میں دعا کی تعلیم ہے۔** اس میں کبھی سستی نہ کرو اور نہ اس سے تھکو۔ پھر دعا خدا تعالیٰ کی ہستی کا زبردست ثبوت ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (البقرۃ:187) یعنی جب میرے بندے تجھ سے سوال کریں کہ خدا کہاں ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے؟ تو کہہ دو کہ وہ بہت ہی قریب ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب کوئی دعا کرنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اُسے جواب دیتا ہوں۔ یہ جواب کبھی رؤیا صالحہ کے ذریعہ ملتا ہے اور کبھی کشف اور الہام کے واسطے سے۔ اور علاوہ بریں دعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور طاقتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا قادر ہے کہ مشکلات کو حل کر دیتا ہے۔"

(**ملفوظات جلد 4 صفحہ 207 ایڈیشن 1988ء**)

پھر آپؑ نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"**اگر تم لوگ چاہتے ہو کہ خیریت سے رہو اور تمہارے گھروں میں امن رہے** تو مناسب ہے کہ دعائیں بہت کرو اور اپنے گھروں کو دعاؤں سے پُر کرو۔ **جس گھر میں ہمیشہ دعا ہوتی ہے خدا تعالیٰ اسے برباد نہیں کیا کرتا۔** لیکن جو سستی میں زندگی بسر کرتا ہے اسے آخر فرشتے بیدار کرتے ہیں۔ اگر تم ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھوگے تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ بہت پکا ہے، وہ کبھی تم سے ایسا سلوک نہ کرے گا جیسا کہ فاسق فاجر سے کرتا ہے۔"

(**ملفوظات جلد 3 صفحہ 232 ایڈیشن 1988ء**)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"دعا کرتے وقت بے دلی اور گھبراہٹ سے کام نہیں لینا چاہئے اور جلدی ہی تھک کر نہیں بیٹھنا چاہئے بلکہ اس وقت تک ہٹنا نہیں چاہئے جب تک دعا اپنا پورا اثر نہ دکھائے۔ جو لوگ تھک جاتے اور گھبرا جاتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں کیونکہ یہ محروم رہ جانے کی نشانی ہے۔ میرے نزدیک دعا بہت عمدہ چیز ہے اور میں اپنے تجربہ سے کہتا ہوں، خیالی بات نہیں۔ جو مشکل کسی تدبیر سے حل نہ ہوتی ہو اللہ تعالیٰ دعا کے ذریعہ اسے آسان کر دیتا ہے۔ **میں سچ کہتا ہوں کہ دعا بڑی زبردست اثر والی چیز ہے۔** بیماری سے شفا اس کے ذریعہ ملتی ہے۔ دنیا کی تنگیاں مشکلات اس سے دور ہوتی ہیں۔ دشمنوں کے منصوبے سے یہ بچا لیتی ہے۔ اور وہ کیا چیز ہے جو دعا سے حاصل

نہیں ہوتی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان کو پاک یہ کرتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ پر زندہ ایمان یہ بخشتی ہے... **بڑا ہی خوش قسمت وہ شخص ہے جس کو دعا پر ایمان ہے** کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عجیب در عجیب قدرتوں کو دیکھتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کو دیکھ کر ایمان لاتا ہے کہ وہ قادر کریم خدا ہے"

(ملفوظات جلد4 صفحہ 205 ایڈیشن 1988ء)

پھر ایک جگہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

"**دعا ایک زبردست طاقت ہے** جس سے بڑے بڑے مشکل مقام حل ہو جاتے ہیں اور دشوار گزار منزلوں کو انسان بڑی آسانی سے طے کر لیتا ہے۔ کیونکہ دعا اس فیض اور قوت کو جذب کرنے والی ہے جو اللہ تعالیٰ سے آتی ہے۔ جو شخص کثرت سے دعاؤں میں لگا رہتا ہے وہ آخر اس فیض کو کھینچ لیتا ہے اور خدا تعالیٰ سے تائید یافتہ ہو کر اپنے مقاصد کو پا لیتا ہے۔ ہاں نری دعا خدا تعالیٰ کا منشاء نہیں ہے بلکہ اوّل تمام مساعی اور مجاہدات کو کام میں لائے۔" یعنی کوشش کرنا ضروری ہے۔ عمل بھی کرنا ضروری ہے "اور اس کے ساتھ دعا سے کام لے، اسباب سے کام لے۔ **اسباب سے کام نہ لینا اور نری دعا سے کام لینا یہ آداب الدعا سے ناواقفی ہے اور خدا تعالیٰ کو آزمانا ہے۔** اور نرے اسباب پر گر رہنا" صرف دنیاوی کوششیں کرتے رہنا "اور دعا کو لا شی محض سمجھنا یہ دہریت ہے۔" یعنی خدا تعالیٰ کا انکار ہے، مذہب سے دوری ہے۔ "**یقیناً سمجھو کہ دعا بڑی دولت ہے۔** جو شخص دعا کو نہیں چھوڑتا اس کے دین اور دنیا پر آفت نہ آئے گی۔ وہ ایک ایسے قلعہ میں محفوظ ہے جس کے ارد گرد مسلح سپاہی ہر وقت حفاظت کرتے ہیں۔ لیکن جو دعاؤں سے لاپرواہ ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو خود بے ہتھیار ہے اور اس پر کمزور بھی ہے اور پھر ایسے جنگل میں ہے جو درندوں اور موذی جانوروں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس کی خیر ہرگز نہیں ہے۔ ایک لمحہ میں وہ موذی جانوروں کا شکار ہو جائے گا اور اس کی ہڈی بوٹی نظر نہ آئے گی۔ اس لئے یاد رکھو کہ انسان کی بڑی سعادت اور اس کی حفاظت کا اصل ذریعہ ہی یہی دعا ہے۔ یہی دعا اس کے لئے پناہ ہے اگر وہ ہر وقت اس میں لگا رہے۔"

(ملفوظات جلد4 صفحہ 149, 148 ایڈیشن 1988ء)

پس ہم خوش قسمت ہیں، جیسے کہ مَیں نے کہا، کہ زمانے کے امام نے دعا کی فلاسفی کو کھول کر ہمارے سامنے رکھا اور واضح فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی صفت مجیب کا صحیح فہم و ادراک عطا فرمایا۔ پس آج ہم نے نہ صرف اپنی بقا کے لئے، اپنی ذات کی بقا کے لئے، اپنے خاندان کی بقا کے لئے، جماعت احمدیہ کی ترقیات کے لئے دعاؤں کی طرف توجہ دینی ہے بلکہ امت مسلمہ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر پوری انسانیت کی بقا کے لئے دعاؤں کی طرف توجہ کرنی

ہے جس کی آج بہت ضرورت ہے۔ پس ہر احمدی کو ان دنوں میں (ان دنوں سے میری مراد ہے ہمیشہ ہی) اور آج کل خاص طور پر جب حالات بڑے بگڑ رہے ہیں، بہت زیادہ اپنے رب کے حضور جھک کر دعائیں کرنی چاہئیں۔ مضطر کی طرح اسے پکاریں۔ بے قرار ہو کر اسے پکاریں۔ آج امت مسلمہ جس دور سے گزر رہی ہے اور مسلمان ممالک جن پریشانیوں میں مبتلا ہیں اس کا حل سوائے دعا کے اور کچھ نہیں۔ اور دعا کے اس محفوظ قلعے میں جس کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذکر فرمایا آج احمدی کے سوا اور کوئی نہیں۔ پس امت مسلمہ کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اندرونی اور بیرونی فتنوں سے نجات دے۔ ان کو اس پیغام کو سمجھنے کی توفیق دے جو آج سے چودہ سو سال پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم امت کو دیا تھا۔ یہ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا سے ظلم ختم کرے۔ انسان اپنے پیدا کرنے والے خدا کی طرف رجوع کرے۔ اسے پہچان کر اپنی ضدوں اور اناؤں کے جال سے باہر نکلے۔ خدا تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کو آواز نہ دے بلکہ اس کی طرف جھکے۔ اللہ تعالیٰ کے اس پیغام کو سمجھنے والا ہو، اس بات کو سمجھنے والا ہو کہ میری طرف آؤ، خالص ہو کر مجھے پکارو تا کہ میں تمہاری دعاؤں کو سن کر اس دنیا کو جس کو تم سب کچھ سمجھتے ہو، جو کہ حقیقت میں عارضی اور چند روزہ ہے، تمہارے لئے امن کا گہوارہ بنا دوں تا کہ پھر نیک اعمال کی وجہ سے تم لوگ میری دائمی جنت کے وارث بنو۔

جیسا کہ مَیں نے کہا ہم احمدی تو صرف دعا ہی کر سکتے ہیں اور درد دل کے ساتھ ظالم اور مظلوم دونوں کے لئے دعا کر سکتے ہیں اور اپنے خدا سے یہ عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ اس امت پر رحم فرما اور اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کے صدقے رحم فرماتے ہوئے ان لوگوں کو عقل اور سمجھ عطا فرما، ان کو دوست اور دشمن کی پہچان کی توفیق عطا فرما، ان کو اس زمانے کے امام کو پہچاننے کی توفیق عطا فرما۔

پھر جیسا کہ میں نے کہا اس دنیا کیلئے، انسانیت کیلئے بھی دعا کریں۔ دنیا بڑی تیزی سے اپنی اَناؤں اور ضدوں کیوجہ سے تباہی کے گڑھے کی طرف جا رہی ہے۔ اپنے خدا کو بھلا چکی ہے اور نتیجۃً اللہ تعالیٰ کے غضب کو آواز دے رہی ہے۔ ظلم اتنا بڑھ چکا ہے کہ اسے انصاف کا نام دیا جا رہا ہے، اللہ ہی ان لوگوں پر رحم کرے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ مورخہ 11 اگست 2006ء، خطبات مسرور جلد 4 صفحہ 395 تا 398)

تعارف کتاب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے

19۔ برکات الدعا

اے۔ولیم

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"سب دوستوں کے واسطے ضروری ہے کہ ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں۔کیونکہ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے۔"

("ملفوظات"حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جلد 7 صفحہ 224 ایڈیشن 2022ء)

تعارف

یہ کتاب 1310 ہجری رمضان المبارک میں شائع ہوئی۔یعنی اپریل 1893ء میں۔یہ صرف چالیس صفحات کی ایک چھوٹی سی کتاب ہے۔لیکن کتاب کیا ہے ایک الٰہ دین کا چراغ ہے جو خدا کا یہ رسول گویا آسمان سے ہمارے لئے لایا۔تمام بنی نوع انسان کے لئے ایک تحفہ ہے۔جس میں بندے اور خدا کے درمیان ایک تعلق پیدا کرنے کا طریق بیان کر دیا ہے اور تعلق بھی ایسا کہ جیسے ایک دوستی کا تعلق ہو اور دوستی بھی ایسی جس میں خوارق عادت معجزات اس کے ہاتھوں سے ظاہر ہونے لگ جائیں۔

جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب دعا کی برکات کی بابت مضمون رکھتی ہے۔ اور پس منظر اس تصنیف کا یہ ہے کہ برصغیر پاک وہند کی ایک مشہور مذہبی اور علمی شخصیت سر سید احمد خان صاحب جو کہ اپنے بعض مخصوص عقائد اور اصلاحی کارناموں کی بدولت بہت مقام اور نام پیدا کر چکے تھے۔ان کے بعض خلاف اسلام عقائد و تشریحات میں سے دعا کے بارہ میں ایک مخصوص نظریہ تھا جس کا دو لفظی خلاصہ یہ بنتا ہے کہ قبولیت دعا کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ دعاؤں میں کوئی اثر و تاثیر نہیں ہے۔اسکے لئے ان کا ایک کتابچہ ہے "اَلدُّعَآءُ وَالْاِسْتِجَابَۃُ" اس میں انہوں نے یہ اظہار کیا۔جب اس کا علم حضرت اقدس مسیح موعودؑ کو ہوا تو

آپؑ نے ضروری سمجھا کہ اس خلاف شرع نظریہ کی فوری تردید کی جائے کیونکہ اس سے تو گویا زندہ خدا ایک بے کار اور معطل سا ہو کر رہ جاتا ہے جس کے پاس نہ کوئی اختیار ہو اور نہ ہی کوئی طاقت اور جس پر ایمان لانے والے تو گویا جیتے جی ہی مر گئے۔ سر سید صاحب کی یہ سوچ اور نظریہ بظاہر ایک چھوٹی اور معمولی بات لگتی ہے لیکن سخت خطرناک اور زہریلی سوچ تھی اس لئے اس کی تردید کرنا بہت ضروری تھا۔ چنانچہ آپؑ نے فوری طور پر ایک رسالہ لکھا جس کا نام تھا "برکات الدعاء" روحانی خزائن جلد 6 میں یہ کتاب شامل ہے۔ آپؑ نے اس میں لکھا:

"سیّد صاحب اپنے رسالہ مندرجہ عنوان میں دعا کی نسبت اپنا یہ عقیدہ ظاہر کرتے ہیں کہ استجابت دعا کے یہ معنے نہیں ہیں کہ جو کچھ دعا میں مانگا گیا ہے وہ دیا جائے کیونکہ اگر استجابت دعا کے یہی معنے ہوں کہ وہ سوال بہر حال پورا کر دیا جائے تو دو مشکلیں پیش آتی ہیں اوّل یہ کہ ہزاروں دعائیں نہایت عاجزی اور اضطراری سے کی جاتی ہیں مگر سوال پورا نہیں ہوتا جس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ دعا قبول نہیں ہوئی حالانکہ خدا نے استجابت دعا کا وعدہ کیا ہے۔ دوسری یہ کہ جو امور ہونے والے ہیں وہ مقدّر ہیں اور جو نہیں ہونے والے وہ بھی مقدّر ہیں۔ اُن مقدّرات کے برخلاف ہرگز نہیں ہو سکتا پس اگر استجابت دعا کے معنے سوال کا پورا کرنا قرار دیئے جائیں تو خدا کا یہ وعدہ کہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ[1] ان سوالوں پر جن کا ہونا مقدّر نہیں ہے صادق نہیں آ سکتا یعنی ان معنوں کی رو سے یہ عام وعدہ استجابت دعا کا باطل ٹھہرے گا کیونکہ سوالوں کا وہی حصہ پورا کیا جاتا ہے جس کا پورا کیا جانا مقدّر ہے۔ لیکن استجابت دعا کا وعدہ عام ہے جس میں کوئی بھی استثناء نہیں پھر جس حالت میں بعض آیتیں ظاہر کر رہی ہیں کہ جن چیزوں کا دیا جانا مقدّر نہیں وہ ہرگز دی نہیں جاتیں اور بعض آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی دعا رد نہیں ہوتی اور سب کی سب قبول کی جاتی ہیں اور نہ صرف اسی قدر بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام دعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ کر لیا ہے جیسا کہ آیت اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ (المؤمن: 61) سے ظاہر ہے پھر اس تناقض اور تعارض آیات سے بجز اس کے کیونکر مخلصی حاصل ہو کہ استجابت دعا سے عبادت کا قبول کرنا مراد لیا جائے یعنی یہ معنے کئے جائیں کہ دعا ایک عبادت ہے اور جب وہ دل سے اور خشوع اور خضوع سے کی جائے تو اُس کے قبول کرنے کا خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے پس استجابت دعا کی حقیقت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ دعا ایک عبادت متصور ہو کر اس پر ثواب مترتب ہوتا ہے ہاں اگر مقدّر میں ایک چیز کا ملنا ہے اور اتفاقاً اس کے لئے دعا بھی کی گئی تو وہ چیز مل جاتی ہے مگر نہ دعا سے بلکہ اس کا ملنا مقدّر

1 ترجمہ: مجھے پکارو میں تمہیں جواب دوں گا۔ (المؤمن: 61)

تھا اور دعا میں بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب دعا کرنے کے وقت خدا کی عظمت اور بے انتہا قدرت کا خیال اپنے دل میں جمایا جاتا ہے تو وہ خیال حرکت میں آکر ان تمام خیالات پر جن سے اضطرار پیدا ہوا ہے غالب ہو جاتا ہے اور انسان کو صبر اور استقلال پیدا ہو جاتا ہے اور ایسی کیفیت کا دل میں پیدا ہو جانا لازمہ عبادت ہے اور یہی دعا کا مستجاب ہونا ہے پھر سیّد صاحب اپنے رسالہ کے اخیر میں لکھتے ہیں کہ جو لوگ حقیقت دعا سے ناواقف اور جو حکمت اس میں ہے اس سے بے خبر ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ جب یہ امر مسلم ہے کہ جو مقدّر نہیں ہے وہ نہیں ہونے کا تو دعا سے کیا فائدہ ہے یعنی جب کہ مقدّر بہر حال مل رہے گا خواہ دعا کرو یا نہ کرو اور جس کا ملنا مقدّر نہیں اس کے لئے ہزاروں دعائیں کئے جاؤ کچھ فائدہ نہیں تو پھر دعا کرنا ایک امر عبث ہے اس کے جواب میں سیّد صاحب فرماتے ہیں کہ اضطرار کے وقت اِستمداد کی خواہش رکھنا انسان کی فطرت کا خاصہ ہے سو انسان اپنے فطرتی خاصہ سے دعا کرتا ہے بلا خیال اس کے کہ وہ ہو گا یا نہیں اور بمقتضائے اس کی فطرت کے اس کو کہا گیا ہے کہ خدا ہی سے مانگو جو مانگو۔

اس تمام تحریر سے جس کو ہم نے بطور خلاصہ اوپر لکھ دیا ہے ثابت ہوا کہ سیّد صاحب کا یہ مذہب ہے کہ دعا ذریعہ حصولِ مقصود نہیں ہو سکتی اور نہ تحصیل مقاصد کے لئے اس کا کچھ اثر ہے اور اگر دعا کرنے سے کسی داعی کا فقط یہی مقصد ہو کہ بذریعہ دعا کوئی سوال پورا ہو جائے تو یہ خیال عبث ہے کیونکہ جس امر کا ہونا مقدّر ہے اسکے لئے دعا کی حاجت نہیں اور جس کا ہونا مقدّر نہیں ہے اسکے لئے تضرع وابتہال بے فائدہ ہے۔ غرض اس تقریر سے بتمام تر صفائی کھل گیا کہ سیّد صاحب کا یہی عقیدہ ہے کہ دعا صرف عبادت کیلئے موضوع ہے اور اس کو کسی دنیوی مطلب کے حصول کا ذریعہ قرار دینا طمع خام ہے۔"

(برکات الدعاء، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 5 تا 7)

اس پر آپؑ نے لکھا کہ سید صاحب کو قرآنی آیات کے سمجھنے میں سخت دھوکا لگا ہوا ہے۔ اور آپؑ نے پھر عقلی اور نقلی اعتبار سے بڑی تحدی سے یہ ثابت کیا کہ سید صاحب نے کیسے اور کیا غلطی کھائی اور قرآن اور عقل دونوں پہلوؤں سے انکی غلطی کو ثابت کیا اور جس قانون قدرت پر وہ اس نظریہ کی بنیاد رکھے ہوئے تھے اسی سے ان کی غلطی کو ثابت کرتے ہوئے بیان فرمایا:

"کیا سیّد صاحب کو معلوم نہیں کہ اگرچہ دنیا کی کوئی خیر و شر مقدّر سے خالی نہیں تاہم قدرت نے اسکے حصول کیلئے ایسے اسباب مقرر کر رکھے ہیں جن کے صحیح اور سچے اثر میں کسی عقلمند کو کلام نہیں مثلاً اگرچہ مقدّر پر لحاظ کر کے دوا کا کرنا نہ کرنا درحقیقت ایسا ہی

ہے جیسا کہ دُعا یا ترکِ دُعا مگر کیا سیّد صاحب یہ رائے ظاہر کر سکتے ہیں کہ مثلاً علم طب سراسر باطل ہے اور حکیم حقیقی نے دواؤں میں کچھ بھی اثر نہیں رکھا۔ پھر اگر سیّد صاحب باوجود ایمان بالتقدیر کے اس بات کے بھی قائل ہیں کہ دوائیں بھی اثر سے خالی نہیں تو پھر کیوں خدا تعالیٰ کے یکساں اور متشابہ قانون میں فتنہ اور تفریق ڈالتے ہیں؟ کیا سیّد صاحب کا یہ مذہب ہے کہ خدا تعالیٰ اس بات پر تو قادر تھا کہ تربد [1] اور سقمونیا [2] اور سنا [3] اور حب الملوک [4] میں تو ایسا قوی اثر رکھے کہ انکی پوری خوراک کھانے کے ساتھ ہی دست چھوٹ جائیں یا مثلاً سم الفار اور بیش اور دوسری ہلاہل زہروں میں وہ غضب کی تاثیر ڈال دی کہ ان کا کامل قدر شربت چند منٹوں میں ہی اس جہان سے رخصت کر دے لیکن اپنے برگزیدوں کی توجہ اور عقد ہمت اور تضرع کی بھری ہوئی دعاؤں کو فقط مردہ کی طرح رہنے دے جن میں ایک ذرّہ بھی اثر نہ ہو؟ کیا یہ ممکن ہے کہ نظامِ الٰہی میں اختلاف ہو اور وہ ارادہ جو خدا تعالیٰ نے دواؤں میں اپنے بندوں کی بھلائی کے لئے کیا تھا وہ دعاؤں میں مرعی نہ ہو؟ نہیں نہیں! ہرگز نہیں! بلکہ خود سیّد صاحب دعاؤں کی حقیقی فلاسفی سے بے خبر ہیں اور ان کی اعلیٰ تاثیروں پر ذاتی تجربہ نہیں رکھتے اور ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی ایک مدت تک ایک پرانی اور سال خوردہ اور مسلوب القویٰ دوا کو استعمال کرے اور پھر اس کو بے اثر پا کر اس دوا پر عام حکم لگا دے کہ اسمیں کچھ بھی تاثیر نہیں۔ افسوس! صد افسوس کہ سیّد صاحب باوجودیکہ پیرانہ سالی تک پہنچ گئے مگر اب تک اُن پر یہ سلسلۂ نظام قدرت مخفی رہا کہ کیونکر قضا و قدر کو اسباب سے وابستہ کر دیا گیا ہے اور کس قدر یہ سلسلہ اسباب اور مسببات کا باہم گہرے اور لازمی تعلقات رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اس دھوکے میں پھنس گئے کہ انہوں نے خیال کر لیا کہ گویا بغیر ان اسباب کے جو قدرت نے روحانی اور جسمانی طور پر مقرر کر رکھے ہیں کوئی چیز ظہور

1۔ تُرُبُد / تُربُت: دوا کے طور پر ایک پودے کی جڑ جو دست آور بھی اور مسکن بھی ہے۔
2۔ سَقمونِیا: ایک خاص قسم کا گوند؛ ایک گھاس کا دودھ جو پتھریلی زمین میں اگتی ہے اس کا مزہ خراب اور صفرا کے اخراج کے لیے بطور مُسہل استعمال ہوتا ہے۔
3۔ سَنا: ایک پودا جس کی پتی دست آور ہوتی ہے۔
4۔ حَبّ المُلُوک / حَبّ السّلاطین: ایک درخت جس کے پتّے بینگن کے پتوں کی طرح، پھول سفید زردی مائل، پھل جمالگوٹ پھلیوں میں ہوتا ہے، دست آور ہے آتشک، کوڑھ اور امراضِ جلدی کو نافع ہے۔

پذیر ہو سکتی ہے۔ یوں تو دنیا میں کوئی چیز بھی مقدّر سے خالی نہیں مثلاً جو انسان آگ اور پانی اور ہوا اور مٹی اور اناج اور نباتات اور حیوانات اور جمادات وغیرہ سے فائدہ اٹھاتا ہے وہ سب مقدّرات ہی ہیں لیکن اگر کوئی نادان ایسا خیال کرے کہ بغیر ان تمام اسباب کے جو خدا تعالیٰ نے مقرر کر رکھے ہیں اور بغیر ان راہوں کے جو قدرت نے معیّن کر دی ہیں ایک چیز بغیر توسط جسمانی یا روحانی وسائل کے حاصل ہو سکتی ہے تو ایسا شخص گویا خدا تعالیٰ کی حکمت کو باطل کرنا چاہتا ہے۔ میں نہیں دیکھتا کہ سیّد صاحب کی تقریر کا بجز اس کے کچھ اور بھی ماحصل ہے کہ وہ دعا کو منجملہ ان اسباب مؤثرہ کے نہیں سمجھتے جن کو انہوں نے بڑی مضبوطی سے تسلیم کیا ہوا ہے بلکہ اس راہ میں حد سے زیادہ آگے قدم رکھ دیا ہے مثلاً اگر سیّد صاحب کے پاس آگ کی تاثیر کا ذکر کیا جائے تو وہ ہرگز اس سے منکر نہیں ہوں گے اور ہرگز یہ نہیں کہیں گے کہ اگر کسی کا جلنا مقدّر ہے تو بغیر آگ کے بھی جل رہے گا تو پھر میں حیران ہوں کہ وہ باوجود مسلمان ہونے کے دعا کی تاثیروں سے جو آگ کی طرح کبھی اندھیرے کو روشن کر دیتی ہیں اور کبھی گستاخ دست انداز کا ہاتھ جلا دیتی ہیں کیوں منکر ہیں کیا ان کو دعاؤں کے وقت تقدیر یاد آ جاتی ہے اور جب آگ وغیرہ کا ذکر کریں تو پھر تقدیر بھول جاتی ہے؟ کیا ان دونوں چیزوں پر ایک ہی تقدیر حاوی نہیں ہے؟ پھر جس حالت میں باوجود تقدیر ماننے کے وہ اسباب مؤثّرہ کو اس شدت سے مانتے ہیں کہ اسکے غلوّ میں وہ بدنام بھی ہو گئے تو پھر اس کا کیا موجب ہے کہ وہ نظام قدرت جس کو وہ تسلیم کر چکے ہیں دعا میں ان کو یاد نہیں رہا یہاں تک کہ مکھی میں تو کچھ تاثیر ہے مگر دعا میں اتنی بھی نہیں۔ پس اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کوچہ سے بے خبر ہیں اور نہ ذاتی تجربہ اور نہ تجربہ والوں کی ان کو صحبت ہے۔‘‘

(برکات الدعاء، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 7 تا 9)

پھر قبولیت دعا کی خوبصورت فلاسفی اور حقیقت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

’’اب ہم فائدہ عام کے لئے کچھ استجابت دعا کی حقیقت ظاہر کرتے ہیں سو واضح ہو کہ استجابت دعا کا مسئلہ درحقیقت دعا کے مسئلہ کی ایک فرع ہے اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس شخص نے اصل کو سمجھا ہوا نہیں ہوتا اس کو فرع کے سمجھنے میں پیچیدگیاں واقع ہوتی ہیں اور دھوکے لگتے ہیں پس یہی سبب سیّد کی غلط فہمی کا ہے۔ اور دعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید

بندہ اور اس کے ربّ میں ایک تعلق مجاذبہ ہے یعنی پہلے خدا تعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالیٰ اس سے نزدیک ہو جاتا ہے اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواصِ عجیبہ پیدا کرتا ہے سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمّت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ الوہیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں تب اس کی روح اس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوتِ جذب جو اس کے اندر رکھی گئی ہے وہ خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے تب اللہ جلّ شانہ اس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً اگر بارش کے لئے دعا ہے تو بعد استجابت دعا کے وہ اسباب طبعیہ جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں اس دعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور اگر قحط کے لئے بد دعا ہے تو قادر مطلق مخالفانہ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بات اربابِ کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دعا میں ایک قوتِ تکوین پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی باِذنہٖ تعالیٰ وہ دعا عالم سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے اور عناصر اور اجرام فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اس طرف لے آتی ہے جو طرف مؤیّد مطلوب ہے۔ خدا تعالیٰ کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں بلکہ اعجاز کی بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابت دعا ہی ہے اور جس قدر ہزاروں معجزات انبیا سے ظہور میں آئے ہیں یا جو کچھ کہ اولیائے کرام ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے اس کا اصل اور منبع یہی دُعا ہے اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرت قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں **وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے۔ اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے۔ اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے۔ اور دُنیا میں یکدفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوُا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا۔ اور نہ کسی کان نے سُنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟**

وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دُعائیں ہی تھیں جنہوں نے دُنیا میں شور مچادیا۔ اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اُس اُمی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ بِعَدَدِ هَمِّهٖ وَغَمِّهٖ وَحُزْنِهٖ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ وَاَنْزِلْ عَلَيْهِ اَنْوَارَ رَحْمَتِكَ اِلَى الْاَبَدِ۔" (برکات الدعاء، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 9 تا 11)

اور اسی جگہ حضرت اقدسؑ کا یہ فقرہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ جو آپؐ کی سوانح کا خلاصہ بھی ہے اور آپؐ کی بعثت کا ایک مقصد بھی۔ آپؑ نے لکھا:

"اور میں اپنے ذاتی تجربہ سے بھی دیکھ رہا ہوں کہ دُعاؤں کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بڑھ کر ہے۔ بلکہ اسباب طبعیہ کے سلسلہ میں کوئی چیز ایسی عظیم التاثیر نہیں جیسی کہ دُعا ہے۔" (برکات الدعاء، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 11)

اس کتاب کے ابتدائی صفحات میں لیکھرام کی پیشگوئی پر ایک اخبار انیس ہند میرٹھ نے جو سوالات اٹھائے تھے ان کا جواب بعنوان "نمونہ دعائے مستجاب" بھی دیا ہے۔

اسی طرح سر سید احمد خان صاحب نے اپنے ایک دوست کو خط لکھا تھا کہ قرآن کریم کی تفسیر کے اصول کیا ہیں۔ حضرت اقدسؑ نے یہ بھی ایک بڑا احسان فرمایا کہ اس کتاب میں قرآن کریم کے سات بنیادی اصول تفسیر لکھ کر قرآن کریم کی درست اور صحیح تفسیر کی بنیاد رکھ دی۔

دراصل سر سید احمد خان ان دنوں تفسیر قرآن لکھ رہے تھے جس کے لئے انہوں نے اپنے ایک علم دوست نواب محسن الملک سے خط و کتابت کی۔ لیکن چونکہ سر سید احمد خان کی دینی سوچ اور قرآن کریم کی تفسیر کی بنیاد ہی درست نہ تھی اس لئے حضرت اقدسؑ نے یہ بھی لکھا:

"غرض صحیح تفسیر کے لئے یہ معیار ہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ سید صاحب کی تفسیر ان ساتوں معیاروں سے اپنے اکثر مقامات میں محروم و بے نصیب ہے۔ اور اس وقت اس سے تعرض کرنا ہمارا مقصود نہیں۔ سید صاحب کو قانون قدرت پر بڑا ہی ناز تھا مگر اپنی تفسیر میں وہ قانون قدرت کا لحاظ بھی چھوڑ گئے۔ مثلاً ان کا یہ اعتقاد کہ وحی نبوت بجز اپنے ہی فطرت کے ملکہ کے اور کچھ چیز نہیں اور اس میں اور خدا تعالیٰ میں ملائکہ کا واسطہ نہیں...... مناسب ہے کہ سید صاحب موت سے پہلے اس صداقت کو آج مان لیں۔ اور آسمانی وحی کی توہین نہ کریں۔"
(برکات الدعاء، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 25،26)

سرسید کی تفسیر کے بارہ یہ اس زمانے کے ماموروُ مبشر اور حکم وعدل کے ریمارکس تھے اور افسوس کہ وہ خود بھی محروم وبے نصیب ہی اس دنیا سے گزر گئے جیسا کہ اس کی تفصیل ان کے سوانحی نوٹ میں آئے گی۔

اسی طرح کتاب "برکات الدعا" کے حاشیہ (ص29، 30) پر اولیاء کی کرامات کہ پانی ان کو ڈبو نہیں سکتا اور آگ ان کو نقصان نہیں پہنچاسکتی اس کی بھی وضاحت اور حکمت بیان کی ہے۔ برکات الدعاء ان بنیادی کتابوں میں سے ایک ہے جس میں لیکھرام کی پیشگوئی کی ابتدائی بنیادی تفصیلات دی ہیں جیسا کہ اس کے صفحہ 33 پر بیان ہے۔ اسی طرح براہین احمدیہ اور آئینہ کمالات اسلام کی بابت اشتہار ہے۔ ایک اور اشتہار بھی اس کتاب میں موجود ہے جو الگ درج کیا جارہا ہے۔

اس کتاب میں سرسید احمد خان صاحب کو حضرت اقدسؑ نے ایک اور دعوت دی ہے۔ چنانچہ آپؑ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"میرے نزدیک بہتر ہے کہ سیّد صاحب اپنے آخری دن کو یاد کر کے چند ماہ اس عاجز کی صحبت میں رہیں۔ اور چونکہ میں مامور ہوں اور مبشّر ہوں اس لئے میں وعدہ کرتا ہوں کہ سیّد صاحب کے اطمینان کے لئے توجّہ کروں گا۔ اور اُمید رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کوئی ایسا نشان دکھلائے کہ سیّد صاحب کے مجوزہ قانون قدرت کو ایک دم میں خاک میں ملا دیوے اور اس قسم کے کام اب تک بہت ظہور میں آئے ہیں کہ جو سیّد صاحب کی نظر میں قانون قدرت کے مخالف ہیں۔ مگر اُن کا بیان کرنا بے فائدہ ہے کہ سیّد صاحب اس کو ایک قصّہ سمجھیں گے۔ سیّد صاحب وحیٔ ولایت کی ایسی پیشگوئیوں سے بھی تو منکر ہیں جو بذریعہ الہام اولیاء اللہ کو معلوم ہوتے ہیں۔ اور اُن کی نظر میں وہ ایسی ہی خلافِ قانون قدرت ہیں جیسا کہ آگ کا اپنی خاصیتِ احراق کو چھوڑ دینا۔ ایسا ہی دُعا کی ذاتی تاثیرات بھی جن کے ذریعہ سے وہ مطلب حاصل ہو جاتا ہے۔ جس کیلئے دُعا کی گئی سیّد صاحب کی نظر میں خلاف قانون قدرت ہیں ۔ سو اگر سیّد صاحب میرے پاس آ نہیں سکتے تو ان دونوں باتوں میں ہی وعدہ قبولِ حق کر کے مجھ کو اجازت دیں کہ اُن کی نسبت جناب الٰہی میں توجّہ کر کے جو کچھ ظاہر ہو وہ شائع کروں اس سے عام لوگوں کو فائدہ ہو جائے گا۔ اگر سیّد صاحب کی رائے در حقیقت درست ہے، تو میں اپنے مطلب میں کامیاب نہیں ہوں گا۔ ورنہ عقلمند لوگ سیّد صاحب کے خراب عقیدوں سے نجات پا کر پھر اپنے عظیم الشان خدا تعالیٰ کو پہچان لیں گے اور محبت سے

اُس کی طرف رجوع کریں گے۔ اور دُعا کے وقت اُس کی رحمتوں سے نااُمید نہیں ہوں گے۔ اور ہاتھ اُٹھانے کے وقت لذّت اٹھائیں گے۔“

(برکات الدعاء، روحانی خزائن جلد6 صفحہ 32،31)

اور کیا ہی فرحت بخش اور آبِ حیات کا حکم رکھنے والے یہ الفاظ ہیں:

”**اور خدا تعالیٰ کے وجود کا فائدہ بھی تو یہی ہے کہ ہماری دُعائیں سُنے اور آپ اپنے وجود سے ہمیں خبر دے۔** نہ کہ ہم ہزار ہزار تکلیف سے ایک بُت کی طرح ایک فرضی خدا دل میں قائم کریں۔ جس کی ہم آواز نہیں سُن سکتے۔ اور اُس کی نمایاں قدرت کا کوئی جلوہ نہیں دیکھ سکتے۔ یقیناً سمجھو کہ وہ قادر خدا موجود ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ **وَمَا غُلَّتْ اَیْدِیْہِ بَلْ یَدَاہُ مَبْسُوْطَتَانِ یُنْفِقُ کَیْفَ یَشَاءُ وَیَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ۔ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔**“ (برکات الدعاء، روحانی خزائن جلد6 صفحہ 32)

ترجمہ: اور اس کے ہاتھ بند نہیں کیے گئے، بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ وہ جیسے چاہے خرچ کرتا ہے۔ اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اور ہمارا آخری اعلان یہ ہے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔

مختصر تعارف سر سید احمد خان آف علی گڑھ

سر سید احمد خان (1817-1898)

گزشتہ صفحات میں رسالہ برکات الدعاء کا تعارف گزر چکا ہے۔ اس کے اولین اور اصل مخاطب چونکہ سر سید احمد خان صاحب تھے۔ اس لئے مناسب ہے کہ ان کا مختصر تعارف بعض دیگر نشانات کے ذکر کے ساتھ بیان کیا جائے۔

سید احمد خان، جو بعد میں سر سید احمد خان کے نام سے معروف ہوئے۔ 17 اکتوبر 1817ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ اور 81 سال کی عمر میں 27 مارچ 1898ء میں فوت ہوئے اور اپنے کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مسجد میں دفن ہوئے۔ برصغیر ہندوستان کی ایک نامور شخصیت اور مسلمانوں کے حقوق اور ان کی ترقی کے لئے مخلصانہ کوشش کرنے والوں میں اپنے عہد کی نمایاں ترین اور مخلص ترین شخصیت تھی۔ دو قومی نظریہ جو بعد میں ہندوستان اور پاکستان کی آزادی کی بنیاد بنا یہ بھی انہوں نے ہی پیش کیا تھا۔ مسلمانوں کی تعلیمی ترقی اور اصلاح کے لئے خدمات ان کی زندگی کا ایک نمایاں پہلو ہے۔ اور دوسری طرف مذہبی طور پر اسلام کا دفاع کرنے کے لئے ان کی تڑپ اور محنت کا جذبہ قابل قدر تو ضرور تھا، لیکن جس رنگ میں دفاع کر رہے تھے وہ محلِ نظر تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ایک طرف ان کو قوم کا ہمدرد سے لیکر مجدد تک تسلیم کیا گیا تو دوسری طرف انگریزوں کا ایجنٹ اور گمراہ اور زندیق اور کافر تک کا خطاب بھی دیا گیا۔ (مقالات سر سید، مرتبہ مولانا محمد اسماعیل پانی پتی، جلد 10، صفحہ 82، مجلس ترقی ادب لاہور، 1992ء) میں ان پر فتویٰ کفر دینے کا ذکر ہے۔

دراصل عیسائیت یا سائنس اور فلسفہ کے مقابل پر اسلام کی فضیلت ثابت کرنے کا جذبہ تو بے شک قابل تعریف کہا جا سکتا ہے لیکن سید صاحب کا یہ میدان نہیں تھا۔ کیونکہ جو سوچ لے کر وہ اس کام کے لئے اٹھے تھے اور جو نظریات انہوں نے قرآن و حدیث کی تفسیر و تشریح کے طور پر پیش کئے وہ نہ کئے جاتے تو بہتر تھا کیونکہ یہ ایک معذرت خواہانہ اور کمزور دفاع تھا۔ اور ایسی توجیہات و تشریحات تھیں کہ جو اسلام اور قرآن کی عظمت کی بجائے اس کی شان اور اسلام کے بنیادی عقائد و تعلیمات کے بھی منافی تھیں۔

سر سید احمد صاحب سے حضرت اقدسؑ کا باقاعدہ تعارف کب ہوا یہ تو حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ 1860ء میں جب آپؑ سیالکوٹ میں بسلسلہ ملازمت قیام پذیر تھے تب سید صاحب سے آپ کی خط و کتابت کا ذکر ملتا ہے۔ اور انہیں دنوں میں ان کی لکھی ہوئی تفسیر کو دیکھ کر حضورؑ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا۔

ان دنوں سید صاحب کی ہندوستان میں ایک شہرت تھی اور خاص طور پر علمی طبقہ ان کا حامی وفریفتہ ہورہا تھا۔ معروف شاعر، شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال کے استاد محترم علامہ سید میر حسن صاحب بھی ان کے معتقدین میں سے ایک تھے۔ اسی طرح ایک صاحب مرزا مؤحد تھے یہ بھی سرسید احمد خان صاحب کے معتقدین میں سے تھے۔ یہ صاحب جالندھر کے رہنے والے تھے اور ان کا نام مرزا مراد بیگ اور تخلص ''مؤحد'' تھا۔ انہوں نے حضرت اقدسؑ کو بتایا کہ سرسید احمد خان آف علیگڑھ نے بائبل کی ایک تفسیر لکھی ہے۔ اور یہ کہ اگر حضرت اقدسؑ ان کو خط لکھیں تو ان کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ لہٰذا حضرت اقدسؑ نے سرسید احمد خان کو عربی میں ایک خط لکھا۔ اور بعد ازاں ان کی قرآن کریم کی وہ تفسیر بھی پڑھی مگر آپؑ کو پسند نہ آئی۔ آپؑ کو یہ احساس ہوا کہ سرسید احمد خان نے شاید خلوص نیت سے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا ہے کہ جیسے اسلام موجودہ سائنس اور جدید علوم کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔(بحوالہ Life of Ahmad page 49-50)

علامہ سید میر حسن صاحب کی یہ روایت حیات احمدؑ اور سیرت المہدی میں موجود ہے وہ بیان کرتے ہیں:

''چونکہ مرزا صاحب پادریوں کے ساتھ مباحثہ کو بہت پسند کرتے تھے اس واسطے مرزا شکستہ تخلص نے جو بعد ازاں موحد تخلص کیا کرتے تھے۔ اور مراد بیگ نام جالندھر کے رہنے والے تھے۔ مرزا صاحب کو کہا کہ سید احمد خاں صاحب نے توراۃ وانجیل کی تفسیر لکھی ہے آپ ان سے خط وکتابت کریں۔ اس معاملہ میں آپ کو بہت مدد ملے گی۔ چنانچہ مرزا صاحب نے سرسید کو عربی میں خط لکھا۔''(حیات احمد جلد 1 صفحہ 94 مرتبہ یعقوب علی عرفانی شائع کردہ نظارت اشاعت ربوہ 2013ء)

علامہ موصوف مزید بیان کرتے ہیں:

''اسی سال سرسید احمد خان صاحب غُفِرَلَہٗ نے قرآن شریف کی تفسیر شروع کی تھی۔ تین رکوع کی تفسیر یہاں میرے پاس آچکی تھی۔ جب میں اور شیخ الہ داد صاحب مرزا صاحب کی ملاقات کیلئے لالہ بھیم سین صاحب کے مکان پر گئے تو اثناء گفتگو میں سرسید صاحب کا ذکر شروع ہوا۔ اتنے میں تفسیر کا ذکر بھی آگیا۔ راقم نے کہا کہ تین رکوعوں کی تفسیر آگئی جس میں دعا اور نزول وحی کی بحث آگئی ہے۔ فرمایا:۔ کل جب آپ آویں تو تفسیر لیتے آویں۔ جب دوسرے دن وہاں گئے تو تفسیر کے دونوں مقام آپ نے سنے اور سُن کر خوش نہ ہوئے اور تفسیر کو پسند نہ کیا۔''(حیات احمد جلد 1 صفحہ 97 مرتبہ یعقوب علی عرفانی شائع کردہ نظارت اشاعت ربوہ 2013ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔ اے سیرت المہدی میں تحریر فرماتے ہیں:

”خاکسار عرض کرتا ہے کہ شیخ یعقوب علی صاحب نے اپنی کتاب حیاۃ النبی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ ملازمت سیالکوٹ کے متعلق مولوی سید میر حسن صاحب سیالکوٹی کی ایک تحریر نقل کی ہے جو میں مولوی صاحب موصوف سے براہ راست تحریری روایت لے کر درج ذیل کرتا ہوں۔

مرزا صاحب کو کہا کہ سید احمد خاں صاحب نے تورات وانجیل کی تفسیر لکھی ہے۔ آپ ان سے خط و کتابت کریں۔ اس معاملہ میں آپ کو بہت مدد ملے گی۔ چنانچہ مرزا صاحب نے سر سید کو عربی میں خط لکھا...... اسی سال سر سید احمد خاں صاحب غفرلہ نے قرآن شریف کی تفسیر شروع کی تھی۔ تین رکوع کی تفسیر یہاں میرے پاس آچکی تھی۔ جب میں اور شیخ الہ داد صاحب مرزا صاحب کی ملاقات کیلئے لالہ بھیم سین صاحب کے مکان پر گئے تو اثناء گفتگو میں سر سید صاحب کا ذکر شروع ہوا۔ اتنے میں تفسیر کا ذکر بھی آگیا۔ راقم نے کہا کہ تین رکوعوں کی تفسیر آگئی جس میں دعا اور نزول وحی کی بحث آگئی ہے۔ فرمایا: ”کل جب آپ آویں تو تفسیر لیتے آویں۔“ جب دوسرے دن وہاں گئے تو تفسیر کے دونوں مقام آپ نے سنے اور سُن کر خوش نہ ہوئے اور تفسیر کو پسند نہ کیا۔“

(سیرت المہدی جلد 1 روایت نمبر 150 صفحہ 143)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سر سید احمد خان صاحب قرآن کریم کی جو تفسیر لکھنا چاہ رہے تھے اس کے لئے وہ کسی گہرے دینی علم رکھنے والی شخصیت کی تلاش میں بھی تھے اور اس سلسلہ میں وہ حضرت اقدسؑ سے مدد لینا چاہ رہے تھے لیکن حضرت اقدسؑ کو ان کا انداز تفسیر اور انداز فکر پسند ہی نہ آیا۔ لیکن سر سید کے ساتھ ایک گونہ تعلق آپؑ کو رہا اور ان کی ہمدردیٔ قوم و ملت اور زیرکی و دانائی کی تعریف فرمائی۔

اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ 1886ء میں حضرت اقدسؑ نے سید صاحب کو باقاعدہ مخاطب کیا ہے اور یہ خطاب ان کے لئے کوئی خوشی کا پیغام لانے والا نہیں تھا۔

چنانچہ 20 فروری 1886ء کے اشتہار میں آپؑ نے جن مختلف قوموں اور مذاہب کے لوگوں کو مخاطب کیا ان میں ایک سید احمد خان صاحب بھی تھے۔ آپؑ نے اس میں لکھا:

”تیسری وہ پیشگوئیاں جو مذاہب غیر کے پیشواؤں یا واعظوں یا ممبروں سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور اس قسم میں ہم نے صرف بطور نمونہ چند..... کو لیا ہے۔ جن کی نسبت مختلف قسم کی پیشگوئیاں ہیں..... اور چونکہ پیشگوئیاں کوئی اختیاری بات نہیں ہے۔ تاہمیشہ اور ہر حال میں خوشخبری پر دلالت کریں۔ اس لئے ہم بانکسار تمام اپنے موافقین و مخالفین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ کسی پیشگوئی کو اپنی نسبت ناگوار طبع (جیسے خبر موت فوت یا کسی اور مصیبت کی نسبت) پاویں تو اس بندہ

ناچیز کو معذور تصور فرماویں۔ بالخصوص وہ صاحب جو بباعث مخالفت و مغائرت مذہب اور بوجہ نامحرم اسرار ہونے کے حسن ظن کی طرف بمشکل رجوع کر سکتے ہیں۔ جیسے منشی اندر من صاحب مراد آبادی وپنڈت لیکھرام صاحب پشاوری وغیرہ جن کی قضاو قدر کے متعلق غالباً اس رسالے میں بقید وقت و تاریخ کچھ تحریر ہو گا۔ اُن صاحبوں کی خدمت میں دلی صدق سے ہم گزارش کرتے ہیں کہ ہمیں فی الحقیقت کسی کی بدخواہی دل میں نہیں۔ بلکہ ہمارا خداوند کریم خوب جانتا ہے۔ کہ ہم سب کی بھلائی چاہتے ہیں۔ اور بدی کی جگہ نیکی کرنے کو مستعد ہیں۔ اور بنی نوع کی ہمدردی سے ہمارا سینہ منور و معمور ہے۔ اور سب کے لئے ہم راحت و عافیت کے خواستگار ہیں۔ لیکن جو بات کسی موافق یا مخالف کی نسبت یا خود ہماری نسبت کچھ رنجدہ ہو تو ہم اس میں بکلی مجبور و معذور ہیں۔ ہاں ایسی بات کے دردغ نکلنے کے بعد جو کسی دل کے دُکھنے کا موجب ٹھہرے ہم سخت لعن و طعن کے لایق بلکہ سزا کے مستوجب ٹھہرینگے۔ ہم قسمیہ بیان کرتے ہیں اور عالم الغیب کو گواہ رکھ کر کہتے ہیں کہ ہمارا سینہ سراسر نیک نیتی سے بھرا ہوا ہے۔ اور ہمیں کسی فرد بشر سے عداوت نہیں۔ اور گو کوئی بد ظنی کی راہ سے کیسی ہی بد گوئی وبدزبانی کی مشق کر رہا ہے۔ اور ناخداترسی سے ہمیں آزار دے رہا ہے۔ ہم پھر بھی اس کے حق میں دعاہی کرتے ہیں کہ اے خدائے قادر وتوانا! اس کو سمجھ بخش۔ اور ہم اس کو اس کے ناپاک خیال اور ناگفتنی باتوں میں معذور سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ابھی اس کا مادہ ہی ایسا ہے اور ہنوز اس کی سمجھ اور نظر اسی قدر ہے کہ جو حقایق عالمیہ تک نہیں پہنچ سکتی۔

زاہد ظاہر پرست از حالِ ما آگاہ نیست
دَر حقِ ما ہرچہ گوید جائے ہیچ اکراہ نیست[1]

اور باوجود اس رحمت عام کے کہ جو فطرتی طور پر خدائے بزرگ وبرتر نے ہمارے وجود میں رکھی ہے۔ اگر کسی کی نسبت کوئی بات ناملائم یا کوئی پیشگوئی وحشت ناک بذریعہ الہام ہم پر ظاہر ہو تو وہ عالم مجبوری ہے جس کو ہم غم سے بھری ہوئی طبیعت کے ساتھ اپنے رسالے میں تحریر کریں گے چنانچہ ہم پر خود اپنی نسبت اپنے بعض جدی اقارب کی نسبت اپنے بعض دوستوں کی نسبت اور بعض اپنے فلاسفر قومی بھائیوں کی نسبت کہ گویا نجم الہند[2] ہیں اور ایک دیسی امیر نووارد پنجابی الاصل کی نسبت بعض متوحش خبریں جو کسی کے ابتلاء اور کسی کی موت وفوت اعزہ اور کسی کی خود اپنی موت پر دلالت کرتی ہیں۔ جو انشاء اللہ القدیر بعد تصفیہ لکھی جائیں گی۔ منجانب اللہ

1۔ ترجمہ: ظاہر پرست زاہد ہمارے حال سے بے خبر ہے، وہ ہمارے بارے میں جو کچھ بھی کہے، ہمیں اس سے کوئی پریشانی نہیں۔
2۔ اس سے مراد سر سیّد ہیں۔

منکشف ہوئی ہیں۔ اور ہر ایک کے لئے ہم دُعا کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اگر تقدیر معلق ہو تو دُعاؤں سے بفضلہٖ تعالیٰ ٹل سکتی ہے۔ اسی لئے رجوع کرنے والی مصیبتوں کے وقت مقبولوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور شوخیوں اور بے راہیوں سے باز آجاتے ہیں۔ بایں ہمہ اگر کسی صاحب پر کوئی ایسی پیشگوئی شاق گزرے تو وہ مجاز ہیں کہ یکم مارچ 1886ء سے یا اس تاریخ سے جو کسی اخبار میں پہلی دفعہ یہ مضمون شایع ہو ٹھیک ٹھیک دو ہفتہ کے اندر اپنی دستخطی تحریر سے مجھ کو اطلاع دیں تا وہ پیشگوئی جس کے ظہور سے وہ ڈرتے ہیں اندراج رسالہ سے علیحدہ رکھی جائے اور موجب دل آزاری سمجھ کر کسی کو اس پر مطلع نہ کیا جاوے اور کسی کو اس کے وقت ظہور سے خبر نہ دی جائے۔" (مجموعہ اشتہارات جلد 1 صفحہ 94،95، آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 645 ، 646)

رسالہ "برکات الدعاء" روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 33 میں حضرت اقدسؑ نے پنڈت لیکھرام کی پیشگوئی کے متعلق جو مزید انکشاف ہوئے تھے ان کا ذکر کرتے ہوئے سر سید احمد خان صاحب کو بھی آپؑ نے یوں مخاطب فرمایا:

نمونہ دعائے مستجاب

روئے دلبر از طلب گاراں نمی دارد حجاب
می درخشد در خور و می تابد اندر ماہتاب
لیکن آں روئے حسین از غافلاں ماند نہاں
عاشقی باید کہ بردارند از بہرش نقاب
دامن پاکش زِ نَخُوت ہا نمی آید بدست
ہیچ راہی نیست غیر از عجز و درد و اِضطراب
بس خطرناک است راہِ کوچۂ یارِ قدیم
جاں سلامت بایدت از خود روی ہا سرِبتاب
تا کلامش فہم و عقل ناسزایاں کم رَسَد
ہر کہ از خود گم شود اُو یابد آں راہِ صواب
مشکلِ قرآن نہ از ابناءِ دُنیا حل شَوَد
ذوق آں می داند آں مستی کہ نوشد آں شراب
ایکہ آگاہی ندادندت زِ انوارِ دَرُوں
در حقِّ ما ہرچہ گوئی نیستی جائے عتاب

از سرِ وعظ و نصیحت اِین سخن ہا گفتہ ایم
تا مگر زِیں مرہمی بِہ گردد آں زخمی خراب
از دعا کُن چارۂ آزارِ اِنکارِ دُعا
چون علاج می زمی وقتِ خمار و التہاب
ایکہ گوئی گر دعا ہا را اثر بُودے کُجاست
سوئی من بشتاب بنمایَم تُرا چوں آفتاب
ہاں مکن انکار زین اَسرارِ قدرت ہائے حق
قصہ کوتہ کن بہ بیں از ما دُعائے مُستجاب

ترجمہ اشعار:

دلبر کا چہرہ طالبوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ سورج میں بھی چمکتا اور چاند میں بھی۔ لیکن وہ حسین چہرہ غافلوں سے پوشیدہ ہے سچا عاشق چاہیے تا کہ اس کی خاطر نقاب اٹھائی جائے۔ اُس کا مقدس دامن تکبر سے ہاتھ نہیں آتا اس کے لیے کوئی راہ سوائے درد اور بے قراری کے نہیں ہے۔ اُس محبوبِ اَزلی کا راستہ بہت خطرناک ہے اگر تجھے جان کی سلامتی چاہیے تو خود رَوی کو ترک کر دے۔ نا اہل لوگوں کی عقل اس کے کلام کی تہ تک نہیں پہنچ سکتی جو خودی کا تارک ہو اُسی کو وہ صحیح راستہ ملتا ہے۔ قرآن کو سمجھنے کا مسئلہ اہل دنیا سے حل نہیں ہو سکتا اُس شراب کا مزا وہی جانتا ہے جو اس شراب کو پیتا ہے۔ اے وہ شخص جسے باطنی انوار کی کچھ خبر نہیں تو جو کچھ بھی ہمارے حق میں کہے ناراضگی کا موجب نہیں۔ ہم نے نصیحت اور خیر خواہی کے طور پر یہ باتیں کہی ہیں تا کہ وہ خراب زخم اس مرہم سے اچھا ہو جائے۔ انکارِ دُعا کے مرض کا علاج دعا ہی سے کر جیسے خمار کے وقت شراب کا علاج شراب سے ہی کیا جاتا ہے۔ اے وہ شخص جو کہتا ہے کہ اگر دعاؤں میں اثر ہے تو دکھاؤ کہاں ہے، پس میری طرف دوڑ تا کہ میں تجھے سورج کی طرح وہ اثر دکھاؤں۔ **خبردار خدا کی قدرتوں کے بھیدوں کا انکار نہ کر بات ختم کر اور ہم سے دعائے مستجاب دیکھ لے۔**

چنانچہ پیشگوئی کے مطابق سر سید صاحب کو اپنی عمر کے آخری حصہ میں ایسے صدمہ سے دوچار ہونا پڑا کہ اسی صدمہ نے آخر کار ان کی جان لے لی۔ اور وہ مالی صدمہ تھا جو ان کے ایک معتمد اور خزانچی بہاری لال کے ذریعہ ڈیڑھ لاکھ روپے کے غبن کی صورت میں ان کی جان پر قہر بن کر ٹوٹا۔

حضرت اقدسؑ کی پیشگوئی کے عین مطابق جب پنڈت لیکھ رام کا قتل ہوا تو اس وقت حضرت اقدسؑ نے ایک بار پھر سید صاحب کو مخاطب فرمایا کہ شاید وہ راہ راست پر آجائیں اور اپنے ان مذموم عقائد کی اصلاح

کر لیں جو قرآن و سنت کے متصادم تھے۔ چنانچہ 12 مارچ 97ء کے ایک اشتہار میں جس کا کہ عنوان ہی تھا:

سید احمد خان صاحب [K.C.S.I'[Knight Commander of the Order of the Star of India

آپ ؑ نے لکھا:

"سید صاحب اپنے رسالہ الدعاء والاستجابت میں اس بات سے انکاری ہیں کہ دعا میں جو کچھ مانگا جائے وہ دیا جائے۔ اگر سید صاحب کی تحریر کا یہ مطلب ہوتا کہ ہر یک دعا کا قبول ہونا واجب نہیں بلکہ جس دعا کو خدا تعالیٰ قبول فرمانا اپنے مصالح کی رو سے پسند فرماتا ہے وہ دعا قبول ہو جاتی ہے۔ ورنہ نہیں۔ تو یہ قول بالکل سچ ہوتا۔ مگر سرے سے قبولیت دعا سے انکار کرنا تو خلاف تجارب صحیحہ و عقل و نقل ہے۔ ہاں دعاؤں کی قبولیت کے لئے اس روحانی حالت کی ضرورت ہے جس میں انسان نفسانی جذبات اور میل غیر اللہ کا چولہ اتار کر اور بالکل روح ہو کر خدا تعالیٰ سے جاملتا ہے۔ ایسا شخص مظہر العجائب ہوتا ہے۔ اور اس کی محبت کی موجیں خدا کی محبت کی موجوں سے یوں ایک ہو جاتی ہیں جیسا کہ دو شفاف پانی دو متقارب چشموں سے جوش مار کر آپس میں مل کر بہنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسا آدمی گویا خدا کی شکل دیکھنے کے لئے ایک آئینہ ہوتا ہے۔ اور غیب الغیب خدا کا اس کے عجائب کاموں سے پتہ ملتا ہے۔ اُس کی دعائیں اس کثرت سے منظور ہوتی ہیں کہ گویا دنیا کو پوشیدہ خدا دکھا دیتا ہے۔ سو سید صاحب کی یہ غلطی ہے کہ دعا قبول نہیں ہوتی۔ کاش اگر وہ چالیس دن تک بھی میرے پاس رہ جاتے تو نئے اور پاک معلومات پا لیتے۔ مگر اب شاید ہماری اور ان کی عالم آخرت میں ہی ملاقات ہو گی۔ افسوس کہ ایک نظر دیکھنا بھی اتفاق نہیں ہوا۔ سید صاحب اس اشتہار کو غور سے پڑھیں کہ اب ملاقات کے عوض جو کچھ ہے یہی اشتہار ہے۔

اب اصل مطلب یہ ہے کہ کرامات الصادقین کے ٹائٹل پیج کے اخیر صفحہ پر اور برکات الدعا کے ٹائٹل پیج کے صفحہ اوّل کے سر پر مَیں نے یہ عبارت لکھی ہے کہ نمونہ دعائے مستجاب اور پھر اس میں پنڈت لیکھرام کی موت کی نسبت ایک پیش گوئی کی ہے۔ اور کرامات الصادقین وغیرہ میں لکھ دیا ہے کہ اس پیش گوئی کا الہام دعا کے بعد ہوا ہے کیونکہ امر واقعی یہی تھا کہ اس شخص کی نسبت جو توہین رسول اللہ ﷺ میں حد سے زیادہ بڑھ گیا تھا دعا کی گئی تھی۔ اور خدا تعالیٰ نے صریح کشف اور الہام سے فرما دیا تھا کہ چھ 6 برس کے عرصہ تک ایسے طور سے اُس کی زندگی کا خاتمہ کیا جائے گا جیسا کہ وقوع میں آیا۔ اب اس پیش گوئی میں حقیقت کے طالبوں کے لئے دو نئے ثبوت ملتے ہیں۔ اوّل یہ کہ خدا اپنے کسی بندہ کو ایسے عمیق غیب کی خبر دے سکتا ہے جو دنیا کی تمام نظر میں غیر ممکن ہو۔ دوسرے یہ کہ دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اگر آپ آئینہ کمالات کا وہ اشتہار جس کے اوپر چند شعر ہیں اور کرامات الصادقین کا وہ الہام جو صفحہ آخری ٹائٹل پیج پر ہے اور برکات الدعا کے دو ورق ٹائٹل پیج

کے اور نیز حاشیہ آخری صفحہ کا ایک مرتبہ پڑھ جائیں تو مَیں یقین رکھتا ہوں کہ آپ جیسا ایک منصف مزاج فی الفور اپنی پہلی رائے کو چھوڑ کر اس سچائی کو تعظیم کے ساتھ قبول کرلے۔ اگرچہ یہ پیشگوئی بہت ہی صاف ہے مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ دن بدن زیادہ صفائی کے ساتھ لوگوں کو سمجھ آتی جائے گی۔ یہاں تک کہ کچھ دنوں کے بعد تاریک دلوں پر بھی اس کی ایک عظیم الشان روشنی پڑے گی۔ اکثر حصہ اس ملک کا ایسے تاریک دلوں کے ساتھ پُر ہے جن کو خبر نہیں کہ خدا بھی ہے۔ اور اس سے ایسے تعلقات بھی ہو جایا کرتے ہیں!! پس جیسے جیسے مچھلی پتھر کو چاٹ کر واپس ہوگی ویسے ویسے اس پیش گوئی پر یقین بڑھتا جائے گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے یہ بھی صاف لفظوں میں فرمایا گیا ہے کہ پھر ایک دفعہ ہندو مذہب کا اسلام کی طرف زور کے ساتھ رجوع ہو گا۔ ابھی وہ بچے ہیں۔ انہیں معلوم نہیں کہ ایک ہستی قادر مطلق موجود ہے۔ مگر وہ وقت آتا ہے کہ ان کی آنکھیں کھلیں گی اور زندہ خدا کو اس کے عجائب کاموں کے ساتھ بجز اسلام کے اور کسی جگہ نہ پائیں گے۔

آپ کو یہ بھی یاد دلاتا ہوں۔ ایک پیشگوئی مَیں نے اشتہار 20 فروری 1886ء میں آپ کی نسبت بھی کی تھی کہ آپ کو اپنی عمر کے ایک حصہ میں ایک سخت غم وہم پیش آئے گا۔ اور اس پیشگوئی کے شائع ہونے سے آپ کے بعض احباب ناراض ہوئے تھے۔ اور انہوں نے اخباروں میں رَدّ چھپوایا تھا۔ مگر آپ کو معلوم ہے کہ وہ پیش گوئی بھی بڑی ہیبت کے ساتھ پوری ہوئی اور یکدفعہ ناگہانی طور سے ایک شریر انسان کی خیانت سے ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے نقصان کا آپ کو صدمہ پہنچا۔ اُس صدمہ کا اندازہ آپ کے دل کو معلوم ہوگا کہ اس قدر مسلمانوں کا مال ضائع گیا۔ میرے ایک دوست میرزا خدا بخش صاحب مسٹر سید محمود صاحب سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ”اگر میں اس نقصان کے وقت علی گڑھ میں موجود نہ ہوتا تو میرے والد صاحب ضرور اس غم سے مر جاتے۔“ یہ بھی میرزا صاحب نے سنا کہ آپ نے اس غم سے تین دن روٹی نہیں کھائی اور اس قدر قومی مال کے غم سے دل بھر گیا کہ ایک مرتبہ غشی بھی ہوگئی۔ سوائے سیّد صاحب یہی حادثہ تھا جس کا اُس اشتہار میں صریح ذکر ہے چاہو تو قبول کرو!

والسلام

خاکسار

میرزا غلام احمد قادیانی

12/مارچ 1897ء“

(مجموعہ اشتہارات جلد 2 صفحہ 225 تا 227 اشتہار نمبر 168 مطبع فضل عمر پریس قادیان 2019ء)

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدسؑ کی روحانی نگاہ کو یہ نظر آگیا تھا کہ سید صاحب کی زندگی کا خاتمہ قریب ہے اور انہیں مامور من اللہ اور خدا کے اس فرستادے کی آواز پر لبیک کہنے کی توفیق نہ مل سکے گی۔ چنانچہ اسکے تقریباً ایک سال بعد 27مارچ 1898ء کو وہ امام وقت کی اطاعت کا جوُا پہنے بغیر اس دنیا سے راہیٔ ملک بقا ہوئے۔ ان کی زندگی کے آخری ایام بھی بہت تلخ گزرے۔ ان کے اپنے ہی گھر سے ان کو بے گھر کر دیا گیا۔ اور کسی کے گھر میں ان کی وفات ہوئی اور انہیں لوگوں نے مل جل کر ان کے کفن دفن کا انتظام کیا۔

سید صاحب کی وفات ان کے ایک قریبی دوست نواب محمد اسماعیل خان صاحب دتاولی کے گھر میں ہوئی۔ یہ علی گڑھ کے ایک قدیم قصبہ دتاولی کے رئیس اور سرسید کے نہایت عزیز دوست اور رفیق تھے۔ ان کے والد فیض احمد خاں اور دادا عبدالرحمان خاں تھے۔ والد نے 1857ء کی جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا اور دو سال قید فرنگ میں رہے۔ رہائی کے بعد عرب کو ہجرت کر گئے تھے۔ وہاں 1878ء میں انتقال ہوا۔ حاجی محمد اسماعیل خاں سرسید کی تحریک سے وابستہ رہے۔ سرسید احمد خاں کا انتقال 27مارچ 1898ء کو انہی کے گھر میں ہوا تھا۔ وہ اینگلو محمڈن کالج کی مجلس منتظمہ کے وائس پریذیڈنٹ بھی رہے۔ 1912ء میں ان کو نوابی کا خطاب ملا۔ 1884ء میں انہوں نے یورپ کی سیر بھی کی تھی اور ترکی میں بھی عرصہ تک قیام کیا تھا۔ جولائی 1898ء میں وحیدالدین سلیم کے ساتھ رسالہ ”معارف“ علی گڑھ سے نکالا۔ مختلف موضوعات پر آٹھ نو کتابوں کے مصنف تھے۔ مولانا حالی کو حیات جاوید کا بہت سا مواد انہوں نے فراہم کیا تھا۔ پنجاب اور حیدرآباد وغیرہ کے سفروں میں یہ سرسید کے رفیق بھی رہے تھے۔ آخر عمر میں آگرہ کو منتقل ہو گئے تھے اور یہاں ایک پریس بھی قائم کر لیا تھا۔ 1921ء میں انتقال ہوا۔

(کلیات مکاتیب اقبال جلد1 صفحہ 827 مرتبہ سیّد مظفر حسین برنی صاحب، بک کارنر جہلم پاکستان)

سرسید احمد خان صاحب کی قابل تعریف بات یہ ہے کہ امام الزمان حضرت اقدسؑ نے ان کے بعض کاموں کو بنظر تحسین دیکھا اور ان کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ جب ایک نہایت دلآزار کتاب ”امہات المؤمنین“ لکھی گئی تو ہندوستان کے اکثر مسلمان علماء اور تنظیموں کی طرف سے اس کتاب کو ضبط کرنے کے لئے حکومت کے پاس میموریل بھیجے۔ جبکہ حضرت اقدسؑ کی رائے تھی کہ ہمیں اس کتاب کا مدلل جواب لکھنا چاہیے۔ یہ ساری تفصیل آپؑ نے اپنی کتاب فریادِ درد یا جس کا ایک نام البلاغ بھی ہے۔ اس میں درج فرمائی۔ اس کتاب میں حضورؑ سرسید احمد خان صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”دیکھو سرسید احمد خاں صاحب بالقابہ کس قدر اس محسن گورنمنٹ کے خیر خواہ تھے اور کس قدر

گورنمنٹ عالیہ کے منشاء سے بھی واقف تھے اور کس قدر وہ اس بات کو چاہتے تھے کہ ایسے امور سے دور رہیں جو گورنمنٹ کی منشاء کے بر خلاف ہیں بااین ہمہ وہ ہمیشہ مذہبی امور میں بھی لگے رہے اور نہ صرف پادریوں کے اعتراضات کے جواب دیئے بلکہ الہ آباد کے ایک لاٹ صاحب کی کتاب کا بھی انہوں نے ردّ لکھا جو بڑا نازک کام تھا اور ہنٹر کے الزامات کا بھی جواب دیا اور پھر موت کے دنوں کے قریب اس کتاب امہات المومنین کے کسی قدر حصے کا جواب لکھ گئے جو علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس میں رسالہ جلد 6 اپریل 1898ء میں چھپ بھی گیا ہے۔ ہاں چونکہ وہ دانشمند اور حقیقت شناس تھے اس لئے انہوں نے اپنی تمام عمر میں ایسا کوئی فضول میموریل کبھی گورنمنٹ عالیہ کی خدمت میں نہیں بھیجا جیسا کہ اب لاہور سے بھیجا گیا۔ بلکہ اب بھی جب ان کو کتاب امّہات المومنین کے مضامین پر اطلاع ہوئی تو صرف ردّ لکھنا پسند فرمایا۔ سیّد صاحب تینوں باتوں میں میرے موافق رہے۔ اوّل حضرت عیسیٰ کی وفات کے مسئلہ میں۔ دوم جب میں نے یہ اشتہار شائع کیا کہ سلطان روم کی نسبت گورنمنٹ انگریزی کے حقوق ہم پر غالب ہیں تو سیّد صاحب نے میرے اس مضمون کی تصدیق کی اور لکھا کہ سب کو اس کی پیروی کرنی چاہئے۔ سوم اسی کتاب امہات المومنین کی نسبت ان کی یہی رائے تھی کہ اس کا ردّ لکھنا چاہیئے میموریل نہ بھیجا جائے۔ کیونکہ سیّد صاحب نے اپنی عملی کارروائی سے رد لکھنے کو اس پر ترجیح دی۔ کاش اگر آج سیّد صاحب زندہ ہوتے تو وہ میری اس رائے کی ضرور کھلی کھلی تائید کرتے۔ بہرحال ایسے امور میں تمام معزز مسلمانوں کے لئے سیّد صاحب مرحوم کا یہ کام ایک اسوۂ حسنہ ہے جس کے نمونہ پر ضرور چلنا چاہیئے اور بلاشبہ یہ طریق عمل سیّد صاحب کا کہ آپ نے امہات المومنین کا رد لکھنا مناسب سمجھا اور کوئی میموریل گورنمنٹ میں نہ بھیجا یہ درحقیقت ہماری رائے کی تصدیق ہے جو سید صاحب نے اپنی عملی کارروائی سے لوگوں کے سامنے رکھ دی۔"

(البلاغ۔ فریاد درد، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 402،401)

اور اسی کتاب میں حضورؑ نے سید صاحب کو بہادر، زیرک اور فراست رکھنے والے کے القاب دیتے ہوئے کتنے ہی خوبصورت انداز میں یاد فرمایا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

"سر سیّد احمد خان بالقابہ کیسا بہادر اور زیرک اور ان کاموں میں فراست رکھنے والا آدمی تھا انہوں نے آخری وقت میں بھی اس کتاب کا رد لکھنا بہت ضروری سمجھا اور میموریل بھیجنے کی طرف ہرگز التفات نہ کیا۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو آج وہ میری رائے کی ایسی ہی تائید کرتے جیسا کہ انہوں نے سلطان روم کے بارے میں صرف میری ہی رائے کی تائید کی تھی اور مخالفانہ راؤں کو بہت ناپسند اور قابل اعتراض قرار دیا تھا۔ اب ہم اس بزرگ پولیٹیکل مصالح شناس کو کہاں سے پیدا کریں تا وہ بھی ہم سے مل کر اس انجمن کی شتاب کاری پر روویں۔ سچ ہے

"قدر مرداں بعد از مُردن۔"[ترجمہ: آدمی کی قدر مرنے کے بعد ہوتی ہے۔]
(البلاغ۔فریاددرد،روحانی خزائن جلد13 صفحہ425)

حضور اقدس علیہ السلام نے اپنی کتاب "کشف الغطاء" میں لکھا کہ:

"میں نے ایک سفیر روم کی ملاقات کے بعد یہ اشتہار دیا کہ ہمیں سلطان روم کی نسبت سلطنت انگریزی کے ساتھ زیادہ وفاداری اور اطاعت دکھلانی چاہیئے۔ اس سلطنت کے ہمارے سر پر وہ حقوق ہیں جو سلطان کے نہیں ہوسکتے ہر گز نہیں ہوسکتے۔ اس میری تحریر پر مولویوں نے بہت شور مچایا اور سخت گالیاں دیں **اور میرے ساتھ اتفاق رائے صرف سر سید احمد خان کے۔ سی۔ ایس۔ آئی نے کیا۔** جیسا کہ میں ان کی کلام کو جس کو انہوں نے اپنے اخبار میں شائع کیا تھا اسی رسالہ میں لکھ چکا ہوں۔"
(کشف الغطاء روحانی خزائن جلد14 صفحہ202)

نیز آپؑ نے مقدمہ اقدام قتل میں سر سید صاحب کو اپنی صفائی کا گواہ بھی لکھوایا تھا۔ چنانچہ حضورؑ اپنی کتاب "کشف الغطاء" میں تحریر کرتے ہیں:

"علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ مع تہذیب الاخلاق 24/جولائی1897ء یہ مضمون خیر خواہی گورنمنٹ انگریزی میں نے اُس وقت شائع کیا تھا جن دنوں میں مولوی محمد حسین بٹالوی اور دوسرے لوگوں نے سلطان روم کی تعریف میں مضمون لکھے تھے اور بوجہ خیر خواہی اس گورنمنٹ کے مجھ کو کافر ٹھہرایا تھا۔ سیّد احمد خان صاحب خوب جانتے تھے کہ کس قدر میں انگریزی گورنمنٹ کا خیر خواہ اور امن پسند انسان ہوں **اس لئے میں نے ڈاکٹر کلارک کے مقدمہ میں سید صاحب کو اپنی صفائی کا گواہ لکھوایا تھا۔**"

(کشف الغطاء روحانی خزائن جلد14 صفحہ190 حاشیہ)

مستشرقین و دیگر کے اعتراضات اور ان کے جوابات

از افاضات امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

ع۔س۔اختر

مستشرقین تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں

مستشرقین یا غیر مسلم تاریخ دان جو ہیں مسلمانوں کے بغض اور عداوت میں اتنے بڑھے ہوئے ہیں کہ تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا ان کے لیے بڑا آسان ہے اور یہ اکثر جگہ نظر آتا ہے۔

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”پھر واقعات میں غزوۂ بنو قَیْنُقَاع کا ذکر آتا ہے جو دو ہجری میں ہوئی۔ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد عرب کے کفار کا معاملہ ایک جیسا نہ رہا۔ وہ تین قسموں میں بٹ چکے تھے۔ ایک وہ تھے جن سے آپ ﷺ نے اس شرط پہ صلح کر لی تھی کہ وہ نہ تو آپ ﷺ سے جنگ کریں گے اور نہ ہی آپ ﷺ کے خلاف آپؐ کے دشمنوں کی مدد کریں گے۔ یہ معاہدہ کرنے والے یہود کے تینوں قبائل بنو قُرَیظہ، بنو نَضِیر اور بنو قَیْنُقَاع تھے۔ دوسرے وہ تھے جنہوں نے آپ ﷺ سے عداوت کی، آپ ﷺ کے خلاف جنگ کی اور وہ قریش تھے۔ تیسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے آپ ﷺ کو چھوڑ دیا۔ وہ آپ ﷺ کے انجام کے منتظر تھے جیسے عرب کے دیگر قبائل۔ ان کی صورتحال بھی ایک جیسی نہیں تھی۔ ان میں کچھ ایسے تھے جو دل ہی دل میں یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جائے جیسے قبیلہ بنو خُزَاعہ تھا۔ بعض لوگوں کا معاملہ اس کے برعکس تھا جیسے بنو بَکْر کے لوگ تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو ظاہر طور پر مسلمانوں کے ساتھ تھے لیکن اندرخانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا ساتھ دیتے تھے۔ یہ منافقین تھے۔ جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے سب یہود سے معاہدہ کیا۔ آپ ﷺ اور ان کے مابین معاہدہ لکھا گیا۔ ہر قوم اپنے حلیف کے ساتھ مل گئی۔ اب آپؐ نے اپنے اور ان کے مابین امان نامہ لکھا۔ ان

پر بہت سی شرائط عائد کیں۔ ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ وہ آپؐ کے خلاف کسی دشمن کی مدد نہیں کریں گے۔(سبل الھدیٰ والرشاد جلد4 صفحہ 179) یہ تو معاہدہ تھا۔ اب بنو قینقاع کی جو فتنہ انگیزی تھی اس کے بارے میں تاریخ میں جو حوالے آتے ہیں اس میں ابن اسحاق کہتے ہیں کہ شَاسُ بِن قَیس نامی ایک بوڑھا شخص جس کا دل مسلمانوں کے بارے میں کینہ اور حسد سے بھرا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ اوس اور خزرج سے تعلق رکھنے والے کچھ صحابہؓ ایک مجلس میں اکٹھے بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ شَاسُ بن قیس کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس نے جب انہیں زمانہ جاہلیت کی دشمنی بھلا کر اسلام کی بدولت آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے اور صلح صفائی کے ساتھ مل جل کر بیٹھتے دیکھا تو وہ جل کر رہ گیا۔ بَنُو قَیْلَہ یعنی اوس اور خزرج کے سردار اس شہر میں متحد ہو چکے تھے۔ اس نے بے ساختہ بنو قیلہ، اوس اور خزرج کے ان سرداروں کو کہا جو متحد ہو گئے تھے کہ اللہ کی قسم! جب ان کے معزز لوگ متحد ہو گئے تو ہمارے لیے یہاں ان کے ساتھ رہنے کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ بھڑکانے کی کوشش کی۔ اس کے ساتھ ایک یہودی نوجوان تھا۔ اس نے اسے یہ حکم دیا کہ تم ان کے پاس جاؤ اور ان کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ پھر ان کے سامنے جنگ بُعَاث اور اس سے پہلے کے واقعات کا ذکر چھیڑو اور اس کے متعلق انہوں نے آپس میں جو اشعار کہے تھے ان میں سے بھی کچھ شعر سناؤ۔ جنگ بُعَاث زمانہ جاہلیت میں اوس اور خزرج کے درمیان برپا ہوئی تھی جس میں اوس کو خزرج پر کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس وقت اوس کا سردار حُضَیر بن سِمَاكْ اَشْهَلِی تھا۔ یہ حضرت اُسَیدؓ کا والد تھا۔ خزرج کا سردار عَمْرو بنِ نُعْمَان بَیَاضِی تھا۔ یہ دونوں اس جنگ میں مارے گئے تھے۔ اس جوان یہودی نے مسلمانوں میں بیٹھ کر وہی ذکر چھیڑا اور آگ بھڑکائی۔ اوس اور خزرج کے سوئے ہوئے پرانے جذبات پھر بھڑک اٹھے اور وہ مشتعل ہو گئے۔ ان کے درمیان تُو تُو مَیں مَیں شروع ہو گئی۔ وہ آپس میں جھگڑنے اور ایک دوسرے پر فخر جتانے لگے۔ بات اس قدر بڑھ گئی کہ دونوں قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی آمنے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور آپس میں تکرار کرنے لگے۔ مقابلہ بڑھ گیا۔ اوس کی طرف سے اَوس بن قَیْظِی تھے اور خزرج کی طرف سے جَبَّار بن صَخْر۔ بحث کے دوران ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہہ دیا کہ اگر تم چاہو تو ہم اس جنگ کو اب دوبارہ چھیڑ کر تازہ کر دیں۔ چنانچہ دونوں فریق غصہ میں آ گئے اور بولے ہم تیار ہیں۔ اب ایک طرف مسلمان ہو چکے ہیں۔ دوسری طرف یہ جہالت بھی ساتھ چل رہی ہے۔ اور پھر یہ کہنے لگے کہ تمہارے وعدے کی جگہ حَرَّہ ہے۔ مدینہ دو حرّوں کے درمیان ایک حرّہ ہے۔ حَرَّہ سیاہ پتھریلی زمین کو کہتے ہیں اور مشرق کی جانب حرّہ واقم ہے اور اس کو حرّہ بنو قریظہ بھی کہتے ہیں۔ دوسرا حَرَّةُ الوَبْرَہ ہے جو مغرب کی جانب ہے۔ ایک مشرق کی جانب ایک مغرب کی جانب۔ دونوں (یعنی حرّۃ

الوَبُرَہ اور مدینہ) کے درمیان میں تین میل کا فاصلہ ہے۔ ساتھ ہی یہ شور برپا ہو گیا۔ ہتھیار! ہتھیار! اس کے بعد ماحول انتہائی گرم ہو گیا اور دونوں طرف سے زور و شور سے جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ دونوں قبیلوں کے لوگ وقت مقررہ پر حرہ کی طرف نکل پڑے۔ قریب تھا کہ ایک خونریز جنگ شروع ہو جاتی لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ساری صورتحال کی اطلاع پہنچ گئی۔ خبر سنتے ہی آپؐ فوراً مہاجر صحابہؓ کو ساتھ لے کر اوس اور خزرج کے لوگوں کے پاس تشریف لے گئے۔ آپؐ نے نہایت حکیمانہ انداز میں ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اللہ! اللہ! میرے ہوتے ہوئے جاہلیت کی پکار؟ وہ بھی اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں اسلام کی ہدایت نصیب فرمائی ہے۔ اس کے ذریعہ سے تمہیں عزت بخشی ہے۔ تم سے جاہلیت کے اثرات کا خاتمہ فرما دیا ہے۔ تمہیں کفر سے نجات دلائی ہے اور تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی ہے۔

ان چیزوں کے باوجود اب تم یہ جہالت کر رہے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس گفتگو کا ان پر ایسا زبردست اثر ہوا کہ انہوں نے اپنے فعل پر سخت ندامت کا اظہار کیا اور رونا شروع کر دیا۔ اوس اور خزرج کے لوگ جو ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے کے لیے اکٹھے ہوئے تھے ایک دوسرے سے گلے ملے۔ پھر سمع و طاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واپس آ گئے۔ یہ سیرت ابن ہشام کی تفصیل ہے۔

(سیرت ابن ہشام صفحہ 386-385، فرہنگ سیرت صفحہ 102،101)

یہود کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی

کے بارے میں لکھا ہے کہ جب غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شاندار فتح عطا فرمائی تو ان لوگوں کی سرکشی کھل کر سامنے آ گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے ان کا حسد ظاہر ہو گیا۔ اپنی اس جلن اور بغض کی وجہ سے انہوں نے اپنے معاہدے کو ختم کر دیا۔ انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ اے محمدؐ! آپ خیال کرتے ہیں کہ ہم آپ کی قوم جیسے ہیں۔ آپ خود فریبی میں مبتلا نہ ہوں کہ آپ نے ایک ایسی قوم سے مقابلہ کیا جو جنگ سے اناڑی اور ناواقف ہے اور آپ کو ان پر غلبہ کا موقع مل گیا یعنی جنگِ بدر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ مکہ کے کافروں کو تو آپؐ نے شکست دے دی ہم ایسے نہیں ہیں۔ ہم بہت بہادر ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر ہم نے آپؐ سے جنگ کی تو آپؐ کو پتہ چل جائے گا کہ مرد تو ہم ہیں اور یہود کے تینوں قبائل میں سے جنہوں نے سب سے پہلے معاہدے کی خلاف ورزی اور غداری کی وہ بنو قینقاع کے یہودی تھے۔ ان کی

مسلمانوں کے ساتھ جو چھیڑ چھاڑ تھی اس شرارت کے بارے میں یہ ایک واقعہ بھی لکھا ہے کہ جو ایک مسلمان عورت کا ہے، لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی عداوت کے اظہار کے ساتھ ساتھ یہ واقعہ بھی ہوا کہ ایک انصاری کی بیوی اپنا تجارتی سامان لے کر بنو قینقاع کے بازار میں آئی جس میں اونٹ اور بکریاں وغیرہ تھیں تاکہ یہ مال فروخت کر کے نفع حاصل کرے۔ یہ مال اس نے بنو قینقاع کے بازار میں فروخت کیا اور اس کے بعد وہیں ایک یہودی سنار کے پاس بیٹھ گئی کوئی زیور وغیرہ لینے کے لیے۔ اس نے اپنے بدن اور چہرے کو چھپایا ہوا تھا۔ کچھ اوباش یہودیوں نے اس سے چہرہ ظاہر کرنے پر اصرار کیا جس پر اس نے انکار کر دیا۔ اس پر دکاندار سنار نے اٹھ کر اس کے نقاب کا ایک کونہ چپکے سے اس کی پشت کی طرف کسی چیز سے باندھ دیا یا ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ اس نے خاموشی سے اس کی چادر کا ایک سرا ایک کانٹے یا کیل میں الجھا دیا۔ عورت کو اس بات کا پتہ نہ چل سکا۔ جب وہ عورت جانے کے لیے کھڑی ہوئی تو کپڑا الجھا ہوا ہونے کی وجہ سے کھل گیا اور اس کا ننگ ظاہر ہو گیا۔ اس پر یہودیوں نے قہقہے لگائے۔ عورت نے ان کی اس بیہودگی پر چیخنا شروع کر دیا۔ قریب ہی ایک مسلمان گزر رہا تھا اس نے جیسے ہی یہودیوں کی یہ شرارت دیکھی وہ یہودی سنار کی طرف جھپٹا اور تلوار سے اس کو قتل کر دیا۔ یہ دیکھ کر یہودیوں نے اس مسلمان پر حملہ کیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ اس واقعہ کے بعد مسلمانوں میں بنو قینقاع کے یہودیوں کے خلاف سخت غم و غصہ پیدا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلوں کو فرمایا کہ اس قسم کی حرکتوں کے لیے ہمارا اور ان کا معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ کہنے لگے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اللہ اور اس کے رسولؐ اور مسلمانوں کا ساتھی ہوں اور ان کافروں کے معاہدے سے بری ہوتا ہوں۔ (السیرة الحلبیہ جلد 2 صفحہ 284، سیرت ابن ہشام صفحہ 514) بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قینقاع کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے بجائے سمجھنے کے کھلی دھمکی دینی شروع کر دی۔

اس کی تفصیل یوں لکھی ہے کہ بنو قینقاع کو جمع کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے گروہ یہود! اللہ سے ایسی تباہی نازل ہونے سے بچنے کی کوشش کرو جیسی بدر کے موقع پر قریش کے اوپر نازل ہوئی ہے۔ اس لیے مطیع و فرمانبردار بن جاؤ کیونکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہوں اور اس حقیقت کو تم اپنی کتاب میں درج پاتے ہو اور اس عہد کو بھی جو اللہ نے تم سے لیا تھا۔ انہوں نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بھی آپ کی قوم والوں کی طرح ہیں۔ اس دھوکہ میں نہ رہیے کیونکہ اب تک آپ کو ایسی ہی قوم سے واسطہ پڑا ہے جو جنگ اور اس کے طریق نہیں جانتے۔ لہٰذا آپ نے انہیں آسانی سے زیر کر لیا لیکن خدا کی قسم! اگر آپ نے ہم سے جنگ کی تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ کیسے بہادروں سے پالا پڑا

ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب غزوۂ بدر کے موقع پر یہود کی بدعہدی کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بنو قینقاع کے بازار میں جمع کر کے یہ تنبیہ فرمائی تھی۔

بہر حال یہ تنبیہ کی تھی۔ اس پر ان کا یہ جواب تھا۔ اس کے بعد بنو قینقاع کے یہود وہاں سے جا کر قلعہ بند ہو گئے۔ یہ ساری باتیں ہوئیں تو وہ چلے گئے اور اپنے قلعہ میں چلے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف روانہ ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اَبُولُبَابہؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا۔ آپؐ کا جھنڈا سفید رنگ کا تھا اور اسے آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ اٹھائے ہوئے تھے۔ بنو قینقاع کا محاصرہ کیا گیا۔ اس کی تفصیل میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ دن تک بنو قینقاع کے یہودیوں کا سخت محاصرہ کیے رکھا اور آپ ﷺ اس غزوہ کے لیے شوال کی پندرہ تاریخ کو روانہ ہوئے اور ذوالقعدہ کے چاند تک وہیں رہے۔
(السیرۃ الحلبیہ جلد2 صفحہ 285، سبل الھدیٰ والرشاد جلد4 صفحہ 179)

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب پیدا فرما دیا۔ بنو قینقاع کے ان یہودیوں میں چار سو جنگجو تھے جو قلعہ کی حفاظت پہ مامور تھے اور تین سو زرہ پوش تھے۔ آخر محاصرے سے تنگ آ کر یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارا راستہ چھوڑ دیں تو ہم مدینہ سے جلا وطن ہو کر ہمیشہ کے لیے چلے جائیں گے اور صرف ہماری عورتوں اور بچوں کو ہمارے لیے چھوڑ دیں جنہیں ہم اپنے ساتھ لے جائیں اور باقی مال و دولت آپ رکھ لیں اور مال میں ہتھیار وغیرہ بھی شامل ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی یہ بات قبول فرما لی اور انہیں مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ سیرت الحلبیہ میں اس طرح درج ہے۔
(ماخوذ از السیرۃ الحلبیہ جلد2 صفحہ 285و287)

لیکن سیرت کی اکثر کتب میں یہ بھی لکھا ہے۔ عبداللہ بن اُبَی بن سَلُول کے حوالے سے یہ روایت ہے کہ اس موقع پر وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بار بار حاضر ہوا۔ وہ کیونکہ بنو قینقاع کا حلیف تھا اس لیے اس نے بار بار سفارش اور التجا کی اور مختلف طریقوں سے اس امر کا اظہار کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنو قینقاع کو معاف کر دیں۔ ان کو قتل نہ کریں اور انہیں جانے دیں اور انہیں بخش دیں۔
(سبل الھدیٰ والرشاد جلد4 صفحہ 180،179، سیرت ابن ہشام صفحہ 514، شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ جلد2 صفحہ 351)

اس روایت سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل کا ارادہ فرمایا تھا اور یہ کہ عبداللہ بن اُبَی کی مسلسل سفارش سے ان کو معاف کیا گیا تھا لیکن یہ درست نہیں ہے۔

کبھی آپؐ نے ان کی عورتوں، بچوں یا ان لوگوں کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا۔ درحقیقت اس

طرح کی جو روایات ہیں وہ مشکوک ہیں۔ چنانچہ ایسی روایات پر محاکمہ کرتے ہوئے ایک مؤرخ سید برکات احمد ہیں۔ ان کی کتاب میں لکھا ہے کہ یہود کے ہتھیار ڈال دینے کے بعد جب عبداللہ بن اُبَی حضورؐ کی خدمت میں آیا اور بولا میرے آدمیوں کے لیے نرمی کا برتاؤ کیجئے گا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا ستیاناس ہو مجھے چھوڑ دے۔ ابن اُبَی نے جواب دیا ہرگز نہیں۔ واللہ! میں آپؐ کو جانے نہیں دوں گا جب تک آپؐ میرے آدمیوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ نہیں کریں گے۔ کیا آپؐ ان کو تہ تیغ کر دیں گے۔ خدا کی قسم! مجھے پورا یقین ہے کہ حالات تبدیل ہو کر رہیں گے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھی بات ہے۔ تو تم ہی انہیں لے جاؤ۔

ابن اسحاق، واقدی اور ابنِ سعد تینوں اس قصہ کو بیان کرتے ہیں۔ ان تینوں کو پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عبداللہ بن اُبَی کا کچھ اثر تھا لیکن خود عبداللہ بن اُبَی کے سفارشی الفاظ مشتبہ معلوم ہوتے ہیں۔ ابن اسحاق کے بیان میں اس کا قطعاً اظہار نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی بات فرمائی ہو جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکے کہ آپؐ بنو قینقاع کو تہ تیغ کر دینے کا ارادہ کر چکے تھے۔ ایک مؤرخ سے تو یہ ثابت نہیں ہوتا۔ واقدی کے ہاں اس ارادہ کی طرف اشارہ ضرور ملتا ہے اور اسی بات کو ابن سعد نے بھی دہرایا ہے لیکن اس موقع پر ہمیں یہ بات ذہن میں ضرور رکھنی چاہیے کہ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سیاسی راہنما بھی تھے لیکن دشمنوں کے ساتھ بے جا سختی کا معاملہ کبھی نہیں کرتے تھے۔ آپؐ تشدد کو ناپسند کرتے تھے اور میدان جنگ میں بھی اگر جاتے تو بوجہ مجبوری جاتے تھے اور وہاں بھی خواہ مخواہ خونریزی سے پرہیز کرتے تھے۔ (ماخوذ از رسول اکرم ﷺ اور یہود حجاز از سید برکات احمد صفحہ 98،99)

بنو قینقاع کی جلاوطنی

بہرحال محاصرہ تو ہوا تھا اور انہوں نے پناہ بھی مانگی تھی۔ اس لیے بنو قینقاع کی جلاوطنی بھی ہوئی۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔ اس یہودی قبیلہ کی درخواست کے مطابق ان کو جلاوطن کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور یہود کو مدینہ سے جلاوطن کرنے کی ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عُبَادَہ بن صامتؓ کے سپرد فرمائی اور مدینہ سے تین دن میں نکل جانے کی مہلت دی۔ چنانچہ وہ تین دن میں مدینہ سے چلے گئے، نکل گئے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہود نے عبادہؓ سے مزید مہلت طلب کی لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے ایک گھنٹے کی مزید مہلت نہیں دی اور اپنی نگرانی میں جلاوطن کیا۔ یہ لوگ یہاں سے نکل کر اَذْرِعَات کے علاقے میں چلے گئے جو شام کی طرف

ایک شہر ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ جلاوطن کرنے پر حضرت محمد بن مَسْلَمہؓ کو مامور فرمایا تھا۔ عین ممکن ہے کہ دونوں کو یہ ذمہ داری سپرد کی ہو۔

بہرحال جب وہ لوگ چلے گئے تو یہود کے گھروں سے کافی ہتھیار ملے کیونکہ یہ دوسرے یہودیوں میں سے سب سے زیادہ مالدار اور سب سے زیادہ بہادر اور جنگجو لوگ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہتھیاروں میں سے اپنے لیے تین کمانیں، دو زرہیں، تین تلواریں اور تین نیزے منتخب فرمائے۔ کمانوں کے نام کَتُوم، رَوْحَاء اور بَیْضَاء ھے۔ کَتُوم غزوۂ احد میں ٹوٹ گئی تھی۔ دو زرہیں جن کے نام صَغْدِیَہ اور فِضَّہ ہیں۔ اسی طرح تین نیزے اور تین تلواریں منتخب فرمائیں۔ ایک تلوار کو قَلَعِی دوسرے کو بَتَّار کہا جاتا تھا۔ تیسری کا کوئی نام نہیں تھا۔ سیرت الحلبیہ کی یہ روایت ہے۔(السیرۃ الحلبیہ جلد 2 صفحہ 287، معجم البلدان جلد 1 صفحہ 165)

بنو قینقاع کے غزوے کا ذکر سیرت خاتم النبیینؐ میں یوں ہے:

”جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ میں تشریف لائے تھے اس وقت مدینہ میں یہود کے تین قبائل آباد تھے۔ ان کے نام بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آتے ہی ان قبائل کے ساتھ امن وامان کے معاہدے کر لئے اور آپس میں صلح اور امن کے ساتھ رہنے کی بنیاد ڈالی۔ معاہدہ کی رو سے فریقین اس بات کے ذمہ دار تھے کہ مدینہ میں امن وامان قائم رکھیں اور اگر کوئی بیرونی دشمن مدینہ پر حملہ آور ہو تو سب مل کر اس کا مقابلہ کریں۔ شروع شروع میں تو یہود اس معاہدہ کے پابند رہے اور کم از کم ظاہری طور پر انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کوئی جھگڑا پیدا نہیں کیا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان مدینہ میں زیادہ اقتدار حاصل کرتے جاتے ہیں تو ان کے تیور بدلنے شروع ہو گئے اور انہوں نے مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کا تہیہ کر لیا اور اس غرض کے لئے انہوں نے ہر قسم کی جائز وناجائز تدابیر اختیار کرنا شروع کیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے اس بات کی کوشش سے بھی دریغ نہیں کیا کہ مسلمانوں کے اندر پھوٹ پیدا کر کے خانہ جنگی شروع کرا دیں۔ چنانچہ روایت آتی ہے کہ ایک موقعہ پر قبیلہ اوس اور خزرج کے بہت سے لوگ اکٹھے بیٹھے ہوئے باہم محبت واتفاق سے باتیں کر رہے تھے کہ بعض فتنہ پرداز یہود نے اس مجلس میں پہنچ کر جنگِ بُعاث کا تذکرہ شروع کر دیا۔ یہ وہ خطرناک جنگ تھی جو ان دو قبائل کے درمیان ہجرت سے چند سال قبل ہوئی تھی اور جس میں اوس اور خزرج کے بہت سے لوگ ایک دوسرے کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔“ جیسے پہلے بھی تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے۔”اس جنگ کا ذکر آتے ہی بعض

جو شیلے لوگوں کے دلوں میں پرانی یاد تازہ ہو گئی اور گزشتہ عداوت کے منظر آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باہم نوک جھونک اور طعن و تشنیع سے گزر کر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اسی مجلس میں مسلمانوں کے اندر تلوار کھچ گئی مگر خیر گزری کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بروقت اس کی اطلاع مل گئی اور آپؐ مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ فوراً موقعہ پر تشریف لے آئے اور فریقین کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا اور پھر ملامت بھی فرمائی کہ تم میرے ہوتے ہوئے جاہلیت کا طریق اختیار کرتے ہو اور خدا کی اس نعمت کی قدر نہیں کرتے کہ اس نے اسلام کے ذریعہ تمہیں بھائی بھائی بنادیا ہے۔ انصار پر آپؐ کی نصیحت کا ایسا اثر ہوا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ اپنی اس حرکت سے تائب ہو کر ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئے۔

جب جنگِ بدر ہو چکی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کو باوجود ان کی قلت اور بے سروسامانی کے قریش کے ایک بڑے جرّار لشکر پر نمایاں فتح دی اور مکہ کے بڑے بڑے عمائد خاک میں مل گئے تو مدینہ کے یہودیوں کی آتشِ حسد بھڑک اٹھی اور انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کھلم کھلا نوک جھونک شروع کر دی اور مجلسوں میں برملا طور پر کہنا شروع کیا کہ قریش کے لشکر کو شکست دینا کون سی بڑی بات تھی ہمارے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ ہو تو ہم بتادیں کہ کس طرح لڑا کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک مجلس میں انہوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر اسی قسم کے الفاظ کہے۔ چنانچہ روایت آتی ہے کہ جنگِ بدر کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو آپؐ نے ایک دن یہودیوں کو جمع کر کے ان کو نصیحت فرمائی اور اپنا دعویٰ پیش کر کے اسلام کی طرف دعوت دی۔ آپؐ کی اس پُرامن اور ہمدردانہ تقریر کا رؤسائے یہود نے ان الفاظ میں جواب دیا کہ ”اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم شاید چند قریش کو قتل کر کے مغرور ہو گئے ہو۔ وہ لوگ لڑائی کے فن سے ناواقف تھے۔ اگر ہمارے ساتھ تمہارا مقابلہ ہو تو تمہیں پتہ لگ جاوے کہ لڑنے والے ایسے ہوتے ہیں۔“ یہود نے صرف عام دھمکی پر ہی اکتفاء نہیں کی بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے بھی منصوبے شروع کر دیئے تھے کیونکہ روایت آتی ہے کہ جب ان دنوں میں طَلحہ بن برّاء جو ایک مخلص صحابی تھے فوت ہونے لگے تو انہوں نے وصیت کی کہ اگر میں رات کو مروں تو نماز جنازہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نہ دی جاوے تا ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے آپؐ پر یہود کی طرف سے کوئی حادثہ گزر جاوے۔ الغرض جنگِ بدر کے بعد یہود نے کھلم کھلا شرارت شروع کر دی اور چونکہ مدینہ کے یہود میں بنو قینقاع سب میں زیادہ طاقتور اور بہادر تھے اس لئے سب سے پہلے انہی کی طرف سے عہد شکنی شروع ہوئی۔ چنانچہ مورخین لکھتے ہیں کہ...

مدینہ کے یہودیوں میں سے سب سے پہلے بنو قینقاع نے اس معاہدہ کو توڑا جو اُن کے اور آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہوا تھا اور بدر کے بعد انہوں نے بہت سرکشی شروع کر دی اور برملا طور پر بغض وحسد کا اظہار کیا اور عہد و پیمان کو توڑ دیا۔

مگر باوجود اس قسم کی باتوں کے مسلمانوں نے اپنے آقا کی ہدایت کے ماتحت ہر طرح سے صبر سے کام لیا اور اپنی طرف سے کوئی پیش دستی نہیں ہونے دی مگر حدیث میں آتا ہے کہ اس معاہدہ کے بعد جو یہود کے ساتھ ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور پر یہود کی دلداری کا خیال رکھتے تھے۔"

ان کی طرف سے دشمنی کا روّیہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دلداری کا روّیہ۔

"چنانچہ ایک دفعہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں کچھ اختلاف ہو گیا۔ یہودی نے حضرت موسیٰؑ کی تمام انبیاء پر فضیلت بیان کی۔ صحابی کو اس پر غصہ آیا اور اس نے یہودی کے ساتھ کچھ سختی کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل الرسل بیان کیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپؐ ناراض ہوئے اور اس صحابی کو ملامت فرمائی اور کہا کہ "تمہارا یہ کام نہیں کہ تم خدا کے رسولوں کی ایک دوسرے پر فضیلت بیان کرتے پھرو۔" اور پھر آپؐ نے موسیٰؑ کی ایک جزوی فضیلت بیان کر کے اس یہودی کی دلداری فرمائی مگر باوجود اس دلدارانہ سلوک کے یہودی اپنی شرارت میں ترقی کرتے گئے اور بالآخر خود یہود کی طرف سے ہی جنگ کا باعث پیدا ہوا اور ان کی قلبی عداوت ان کے سینوں میں سمانہ سکی اور یہ اس طرح پر ہوا کہ ایک مسلمان خاتون بازار میں ایک یہودی کی دکان پر کچھ سودا خریدنے کے لئے گئی۔" جیسا کہ تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے۔ "بعض شریر یہودیوں نے جو اس وقت اس دکان پر بیٹھے ہوئے تھے اسے نہایت اوباشانہ طریق پر چھیڑا اور خود دکاندار نے یہ شرارت کی کہ اس عورت کے تہ بند کے نچلے کونے کو اس کی بے خبری کی حالت میں کسی کانٹے وغیرہ سے اس کی پیٹھ کے کپڑے سے ٹانک دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ عورت ان کے اوباشانہ طریق کو دیکھ کر وہاں سے اٹھ کر لَوٹنے لگی تو وہ ننگی ہو گئی۔ اس پر اس یہودی دکاندار اور اس کے ساتھیوں نے زور سے ایک قہقہہ لگایا اور ہنسنے لگ گئے۔ مسلمان خاتون نے شرم کے مارے ایک چیخ ماری اور مدد چاہی۔ اتفاق سے ایک مسلمان اس وقت قریب موجود تھا۔ وہ لپک کر موقعہ پر پہنچا اور باہم لڑائی میں یہودی دکاندار مارا گیا۔ جس پر چاروں طرف سے اس مسلمان پر تلواریں برس پڑیں اور وہ غیور مسلمان وہیں پر ڈھیر ہو گیا۔ مسلمانوں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو غیرت قومی سے ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور دوسری طرف یہود جو اس واقعہ کو لڑائی کا بہانہ بنانا چاہتے تھے ہجوم کر کے اکٹھے ہو گئے اور ایک بلوہ کی صورت پیدا ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

اطلاع ہوئی تو آپؐ نے رؤسائے بنو قینقاع کو جمع کر کے کہا کہ یہ طریق اچھا نہیں۔" اب آپؐ کا طریقہ دیکھ لیں۔ کس طرح آپؐ نے کوشش کی کہ کسی طرح یہ معاملہ ٹھنڈا ہو۔ "تم ان شرارتوں سے باز آجاؤ اور خدا سے ڈرو۔ انہوں نے بجائے اس کے کہ اظہار افسوس وندامت کرتے اور معافی کے طالب بنتے سامنے سے نہایت متمردانہ جواب دیئے۔ "یعنی بڑی سرکشی اور نافرمانی والا جواب دیا" اور پھر وہی دھمکی دہرائی کہ بدر کی فتح پر غرور نہ کرو۔ جب ہم سے مقابلہ ہو گا تو پتہ لگ جائے گا کہ لڑنے والے ایسے ہوتے ہیں۔ ناچار آپؐ صحابہؓ کی ایک جمعیت کو ساتھ لے کر بنو قینقاع کے قلعوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ اب یہ آخری موقعہ تھا کہ وہ اپنے افعال پر پشیمان ہوتے۔" جب آپؐ روانہ ہوئے تب بھی معافی مانگ لیتے تو معاملہ ختم ہو جاتا۔ "مگر وہ سامنے سے جنگ پر آمادہ تھے۔ الغرض جنگ کا اعلان ہو گیا اور اسلام اور یہودیت کی طاقتیں ایک دوسرے کے مقابل پر نکل آئیں۔ اس زمانہ کے دستور کے مطابق جنگ کا ایک طریق یہ بھی ہوتا تھا کہ اپنے قلعوں میں محفوظ ہو کر بیٹھ جاتے تھے اور فریق مخالف قلعوں کا محاصرہ کر لیتا تھا اور موقعہ موقعہ پر گاہے گاہے ایک دوسرے کے خلاف حملے ہوتے رہتے تھے۔ حتی کہ یا تو محاصرہ کرنے والی فوج قلعہ پر قبضہ کرنے سے مایوس ہو کر محاصرہ اٹھا لیتی تھی اور یہ محصورین کی فتح سمجھی جاتی تھی اور یا محصورین مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ کا دروازہ کھول کر اپنے آپ کو فاتحین کے سپرد کر دیتے تھے۔ اس موقعہ پر بھی بنو قینقاع نے یہی طریق اختیار کیا اور اپنے قلعوں میں بند ہو کر بیٹھ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کیا اور پندرہ دن تک برابر محاصرہ جاری رہا۔

بالآخر جب بنو قینقاع کا سارا زور اور غرور ٹوٹ گیا تو انہوں نے اس شرط پر اپنے قلعوں کے دروازے کھول دیئے کہ ان کے اموال مسلمانوں کے ہو جائیں گے مگر ان کی جانوں اور ان کے اہل وعیال پر مسلمانوں کا کوئی حق نہیں ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کو منظور فرمالیا کیونکہ گو موسوی شریعت کی رو سے یہ سب لوگ واجب القتل تھے اور معاہدہ کی رو سے ان لوگوں پر موسوی شریعت کا فیصلہ ہی جاری ہونا چاہئے تھا مگر اس قوم کا یہ پہلا جرم تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحیم وکریم طبیعت انتہائی سزا کی طرف جو ایک آخری علاج ہوتا ہے ابتدائی قدم پر مائل نہیں ہو سکتی تھی لیکن دوسری طرف ایسے بدعہد اور معاند قبیلہ کا مدینہ میں رہنا بھی ایک مار آستین کے پالنے سے کم نہ تھا۔ خصوصاً جب اوس اور خزرج کا ایک منافق گروہ پہلے سے مدینہ میں موجود تھا اور بیرونی جانب سے بھی تمام عرب کی مخالفت نے مسلمانوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ ایسے حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فیصلہ ہو سکتا تھا کہ بنو قینقاع مدینہ سے چلے جائیں۔ یہ سزا ان

کے جرم کے مقابل میں اور نیز اس زمانہ کے حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک بہت نرم سزا تھی اور دراصل اس میں صرف خود حفاظتی کا پہلو ہی مد نظر تھا۔ ورنہ عرب کی خانہ بدوش اقوام کے نزدیک نقل مکان کوئی بڑی بات نہ تھی۔ خصوصاً جبکہ کسی قبیلہ کی جائیدادیں زمینوں اور باغات کی صورت میں نہ ہوں جیسا کہ بنو قینقاع کی نہیں تھیں۔ "کوئی ان کی جائیدادیں ایسی نہیں تھیں جو غیر منقولہ ہوں۔ زمینیں یا اس قسم کی جائیدادیں جن پر ان کا انحصار ہو۔" اور پھر سارے کے سارے قبیلہ کو بڑے امن وامان کے ساتھ ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ جا کر آباد ہونے کا موقعہ مل جاوے۔ چنانچہ بنو قینقاع بڑے اطمینان کے ساتھ مدینہ چھوڑ کر شام کی طرف چلے گئے۔ ان کی روانگی کے متعلق ضروری اہتمام اور نگرانی وغیرہ کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی عبادہ بن صامتؓ کے سپرد فرمایا تھا جو ان کے حلفاء میں سے تھے۔" یہ ان کے یعنی بنو قینقاع کے حلیف تھے۔" چنانچہ عبادہ بن صامتؓ چند منزل تک بنو قینقاع کے ساتھ گئے اور پھر انہیں حفاظت کے ساتھ آگے روانہ کر کے واپس لوٹ آئے۔ مالِ غنیمت جو مسلمانوں کے ہاتھ آیا وہ صرف آلاتِ حرب اور آلاتِ پیشہ زرگری پر مشتمل تھا۔

بنو قینقاع کے متعلق بعض روایتوں میں ذکر آتا ہے کہ جب ان لوگوں نے اپنے قلعوں کے دروازے کھول کر اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا تو ان کی بدعہدی اور بغاوت اور شرارتوں کی وجہ سے آپؐ کا ارادہ ان کے جنگجو مردوں کو قتل کروا دینے کا تھا مگر عبداللہ بن اُبَی بن سَلُول رئیس منافقین کی سفارش پر آپؐ نے یہ ارادہ ترک کر دیا لیکن محققین نے ان روایات کو صحیح تسلیم نہیں کیا کیونکہ جب دوسری روایات میں یہ صریحاً مذکور ہے کہ بنو قینقاع نے اس شرط پر دروازے کھولے تھے کہ ان کی اور ان کے اہل وعیال کی جان بخشی کی جائے گی تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس شرط کو قبول کر لینے کے بعد دوسرا طریق اختیار فرماتے" اور اس شرط کو توڑ دیتے۔" البتہ بنو قینقاع کی طرف سے جان بخشی کی شرط کا پیش ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ خود ہی سمجھتے تھے کہ ان کی اصل سزا قتل ہی ہے مگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رحم کے طالب تھے اور یہ وعدہ لینے کے بعد اپنے قلعے کا دروازہ کھولنا چاہتے تھے کہ ان کو قتل کی سزا نہیں دی جاوے گی لیکن گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رحیم النفسی سے انہیں معاف کر دیا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں یہ لوگ اپنی بداعمالی اور جرائم کی وجہ سے اب دنیا کے پردے پر زندہ چھوڑے جانے کے قابل نہیں تھے۔ چنانچہ روایت آتی ہے کہ جس جگہ یہ لوگ جلاوطن ہو کر گئے تھے وہاں انہیں ابھی ایک سال کا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ ان میں کوئی ایسی بیماری وغیرہ پڑی کہ سارے کا سارا قبیلہ اس کا شکار ہو کر پیوند خاک ہو گیا۔

غزوۂ بنو قینقاع کی تاریخ کے متعلق کسی قدر اختلاف ہے۔ واقدی اور ابن سعد نے شوال دو ہجری بیان کی ہے اور متاخرین نے "بعد میں آنے والے مؤرخین نے "زیادہ تر اِسی کی اتباع کی ہے۔ لیکن ابن اسحاق اور ابن ہشام نے اسے غزوہ سَوِیق کے بعد رکھا ہے جو مسلمہ طور پر ماہ ذی الحجہ دو ہجری کے شروع میں ہوا تھا اور حدیث کی ایک روایت میں یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ غزوۂ بنو قینقاع حضرت فاطمہؓ کے رخصتانہ کے بعد ہوا تھا کیونکہ اس روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے ولیمہ کی دعوت کا خرچ مہیا کرنے کے لئے یہ تجویز کی تھی کہ بنو قینقاع کے ایک یہودی زرگر کو ساتھ لے کر جنگل میں جائیں اور وہاں سے اذخر گھاس لا کر مدینہ کے زرگروں کے پاس فروخت کریں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کے رخصتانہ کے وقت جو عام مؤرخین کے نزدیک ذوالحجہ دو ہجری میں ہوا تھا ابھی تک بنو قینقاع مدینہ میں ہی تھے۔ ان وجوہات کی بناء پر" حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کہتے ہیں کہ "میں نے غزوہ بنو قینقاع کو غزوۂ سویق اور حضرت فاطمہؓ کے رخصتانہ کے بعد اَواخر 2 ہجری میں رکھا ہے۔

...اس موقعہ پر یہ ذکر بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ غزوۂ بنو قینقاع کا سبب بیان کرتے ہوئے مسٹر مارگولیس نے اپنی طرف سے ایک عجیب و غریب بات بنا کر لکھی ہے جس کا قطعاً کسی روایت میں اشارہ تک نہیں آتا۔ بخاری میں ایک روایت آتی ہے کہ حضرت حمزہؓ نے شراب کے نشہ میں (اس وقت تک ابھی شراب حرام نہیں ہوئی تھی) حضرت علیؓ کے وہ اونٹ مار دیئے تھے جو انہیں جنگِ بدر کی غنیمت میں حاصل ہوئے تھے۔ اس منفرد واقعہ کو بغیر کسی قسم کی تاریخی سند کے غزوۂ بنو قینقاع کے ساتھ جوڑ کر مسٹر مارگولیس رقمطراز ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو قینقاع پر اس غرض سے چڑھائی کی تھی کہ تا اس کی غنیمت سے حضرت علیؓ کے اس نقصان کی تلافی کریں۔ "کوئی بے تکی بات جوڑی ہے۔ "تاریخ نویسی میں یہ جرأت غالباً اپنی مثال آپ ہی ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ مسٹر مارگولیس اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ میں نے یہ بات اپنی طرف سے قیاس کرکے زائد کی ہے۔" (سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 457 تا 462)

حوالے تو کوئی نہیں ملے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس لیے اَور کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ دو اونٹوں کی قیمت کے لیے ایک قبیلے سے پوری جنگ کی جائے۔ عجیب سوچیں ہیں ان کی۔ مستشرقین یا غیر مسلم تاریخ دان جو ہیں مسلمانوں کے بغض اور عداوت میں اتنے بڑھے ہوئے ہیں کہ تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا ان کے لیے بڑا آسان ہے اور یہ اکثر جگہ نظر آتا ہے۔

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 27 اکتوبر 2023ء الفضل انٹرنیشنل مؤرخہ 17 نومبر 2023ء)

قسط چہارم

قرآن کریم کے حسن وجمال کا تذکرہ روحانی خزائن میں

(سید میر محمود احمد ناصر۔مرحوم)

(16) قرآن مجید کی لطیف اور گہری ترتیب مضامین کا ایک پہلو اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے جو قرآن شریف کی سورۃ المؤمنون میں انسان کی جسمانی تخلیق اور روحانی تخلیق دونوں میں ارتقائی مدارج کی مشابہت کے بارہ میں ہیں اس حد درجہ لطیف مضمون کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''خدا تعالیٰ نے اس سورۃ کے ابتدا میں جو سورۃ المؤمنون ہے جس میں یہ آیت فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ (المومنون:15) ہے اس بات کو بیان فرمایا ہے کہ کیونکر انسان مراتب سِتّہ کو طے کرکے جو اس کی تکمیل کے لئے ضروری ہیں اپنے کمال روحانی اور جسمانی کو پہنچتا ہے۔ سو خدا نے دونوں قسم کی ترقیات کو چھ چھ مرتبہ پر تقسیم کیا ہے اور مرتبہ ششم کو کمال ترقی کا مرتبہ قرار دیا ہے اور یہ مطابقت روحانی اور جسمانی وجود کی ترقیات کی ایسے خارقِ عادت طور پر دکھلائی ہے کہ جب سے انسان پیدا ہوا ہے کبھی کسی انسان کے ذہن نے اس نکتہ معرفت کی طرف سبقت نہیں کی۔ اور اگر کوئی دعوے کرے کہ سبقت کی ہے تو یہ بار ثبوت اُس کی گردن پر ہوگا کہ یہ پاک فلاسفی کسی انسان کی کتاب میں سے دکھلاوے اور یہ یاد رہے کہ وہ ایسا ہرگز ثابت نہیں کرسکے گا۔ پس بدیہی طور پر یہ معجزہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے وہ عمیق مناسبت جو روحانی اور جسمانی وجود کی اُن ترقیات میں ہے جو وجود کامل کے مرتبہ تک پیش آتی ہیں ان آیات مبارکہ میں ظاہر کردی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ظاہری اور باطنی صنعت ایک ہی ہاتھ سے ظہور پذیر ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔

بعض نادانوں نے یہ بھی اعتراض کیا تھا کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے نطفہ کی حالت سے لے کر اخیر تک جسمانی وجود کا قرآن شریف میں نقشہ کھینچا ہے یہ نقشہ اس زمانہ کی جدید تحقیقات طبی کی رُو سے صحیح نہیں ہے۔ لیکن اُن کی حماقت ہے کہ ان آیات کے معنی انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ گویا خدا تعالیٰ رحم کے اندر انسانی وجود کو اس طرح بناتا ہے کہ پہلے بکلّی ایک عضو سے فراغت کرلیتا ہے پھر دوسرا بناتا ہے۔ یہ آیات الٰہیہ کا منشا نہیں ہے بلکہ جیسا کہ ہم نے بچشم خود ملاحظہ کرلیا ہے اور مُضغہ سے لے کر ہر ایک حالت کے بچے کو دیکھ لیا ہے۔ خالق

حقیقی رحم کے اندر تمام اعضاء اندرونی و بیرونی کو ایک ہی زمانہ میں بناتا ہے یعنی ایک ہی وقت میں سب بنتے ہیں تاخیر تقدیم نہیں۔ البتہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلے تمام وجود انسان کا ایک جما ہوا خون ہوتا ہے اور پھر سارے کا سارا ایک ہی وقت میں مُضغہ بن جاتا ہے اور پھر ایک ہی وقت میں کچھ حصہ اس کا اپنے اپنے موقعہ پر ہڈیاں بن جاتا ہے اور پھر ایک ہی وقت میں اس تمام مجموعہ پر ایک زائد گوشت چڑھ جاتا ہے جو تمام بدن کی کھال کہلاتی ہے جس سے خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔ اور اس مرتبہ پر جسمانی بناوٹ تمام ہو جاتی ہے اور پھر جان پڑ جاتی ہے۔ یہ وہ تمام حالتیں ہیں جو ہم نے بچشم خود دیکھ لی ہیں۔۔۔

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں ظاہر ہے کہ پہلا مرتبہ روحانی ترقی کا یہ ہے جو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡنَ هُمۡ فِیۡ صَلَاتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ۔ یعنی وہ مومن نجات پا گئے جو اپنی نماز اور یادِ الٰہی میں خشوع اور فروتنی اختیار کرتے ہیں اور رقّت اور گدازش سے ذکر الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس کے مقابل پر پہلا مرتبہ جسمانی نشوونما کا جو اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے یہ ہے یعنی ثُمَّ جَعَلۡنٰهُ نُطۡفَةً فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ ﴿۱۴﴾ یعنی پھر ہم نے انسان کو نطفہ بنایا اور وہ نطفہ ایک محفوظ جگہ میں رکھا۔ سو خدا تعالیٰ نے آدم کی پیدائش کے بعد پہلا مرتبہ انسانی وجود کا جسمانی رنگ میں نطفہ کو قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ نطفہ ایک ایسا تخم ہے جو اجمالی طور پر مجموعہ ان تمام قویٰ اور صفات اور اعضاء اندرونی اور بیرونی اور تمام نقش و نگار کا ہوتا ہے جو پانچویں درجہ پر مفصل طور پر ظاہر ہو جاتے ہیں اور چھٹے درجہ پر اتم اور اکمل طور پر اُن کا ظہور ہوتا ہے اور باایں ہمہ نطفہ باقی تمام درجات سے زیادہ تر معرضِ خطر میں ہے۔ کیونکہ ابھی وہ اُس تخم کی طرح ہے جس نے ہنوز زمین سے کوئی تعلق نہیں پکڑا۔ اور ابھی وہ رحم کی کشش سے بہرہ ور نہیں ہوا ممکن ہے کہ وہ اندام نہانی میں پڑ کر ضائع ہو جائے جیسا کہ تخم بعض اوقات پتھریلی زمین پر پڑ کر ضائع ہو جاتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ وہ نطفہ بِذاتہا ناقص ہو یعنی اپنے اندر ہی کچھ نقص رکھتا ہو اور قابل نشوونما نہ ہو۔ اور یہ استعداد اُس میں نہ ہو کہ رحم اس کو اپنی طرف جذب کر لے اور صرف ایک مُردہ کی طرح ہو جس میں کچھ حرکت نہ ہو۔ جیسا کہ ایک بوسیدہ تخم زمین میں بویا جائے۔ اور گو زمین عمدہ ہو مگر تاہم تخم بوجہ اپنے ذاتی نقص کے قابلِ نشوونما نہیں ہوتا اور ممکن ہے کہ بعض اور عوارض کی وجہ سے جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں نطفہ رحم میں تعلق پذیر نہ ہو سکے اور رحم اس کو اپنی کشش سے محروم رکھے۔ جیسا کہ تخم بعض اوقات پیروں کے نیچے کچلا جاتا ہے یا پرندے اس کو چُگ جاتے ہیں یا کسی اور حادثہ سے تلف ہو جاتا ہے۔

یہی صفات مومن کے روحانی وجود کے اوّل مرتبہ کے ہیں اور اوّل مرتبہ مومن کے روحانی وجود کا وہ

خشوع اور رقت اور سوز و گداز کی حالت ہے جو نماز اور یاد الٰہی میں مومن کو میسر آتی ہے یعنی گدازش اور رقت اور فروتنی اور عجز و نیاز اور روح کا انکسار اور ایک تڑپ اور قلق اور تپش اپنے اندر پیدا کرنا۔ اور ایک خوف کی حالت اپنے پر وارد کر کے خدائے عزّو جلّ کی طرف دل کو جھکانا جیسا کہ اِس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡنَ هُمۡ فِیۡ صَلَاتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ یعنی وہ مومن مراد پاگئے جو اپنی نماز میں اور ہر ایک طور کی یادِ الٰہی میں فروتنی اور عجز و نیاز اختیار کرتے ہیں۔ اور رقت اور سوز و گداز اور قلق اور کرب اور دلی جوش سے اپنے ربّ کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں۔ یہ خشوع کی حالت جس کی تعریف کا اوپر اشارہ کیا گیا ہے روحانی وجود کی طیّاری کے لئے پہلا مرتبہ ہے یا یوں کہو کہ وہ پہلا تخم ہے جو عبودیت کی زمین میں بویا جاتا ہے اور وہ اجمالی طور پر ان تمام قویٰ اور صفات اور اعضاء اور تمام نقش و نگار اور حسن و جمال اور خط و خال اور شمائل روحانیہ پر مشتمل ہے۔ جو پانچویں اور چھٹے درجہ میں انسانِ کامل کیلئے نمودار طور پر ظاہر ہوتے اور اپنے دلکش پیرایہ میں تجلّی فرماتے ہیں اور چونکہ وہ نطفہ کی طرح روحانی وجود کا پہلا مرتبہ ہے اس لئے وہ آیت قرآنی میں نطفہ کی طرح پہلے مرتبہ پر رکھا گیا ہے اور نطفہ کے مقابل پر دکھلایا گیا ہے تا وہ لوگ جو قرآن شریف میں غور کرتے ہیں سمجھ لیں کہ نماز میں خشوع کی حالت روحانی وجود کے لئے ایک نطفہ ہے اور نطفہ کی طرح روحانی طور پر انسان کامل کے تمام قویٰ اور صفات اور تمام نقش و نگار اس میں مخفی ہیں۔ اور جیسا کہ نطفہ اُس وقت تک معرضِ خطر میں ہے جب تک کہ رحم سے تعلق نہ پکڑے۔ ایسا ہی روحانی وجود کی یہ ابتدائی حالت یعنی خشوع کی حالت اُس وقت تک خطرہ سے خالی نہیں جب تک کہ رحیم خدا سے تعلق نہ پکڑلے۔ یاد رہے کہ جب خدا تعالیٰ کا فیضان بغیر توسط کسی عمل کے ہو تو وہ رحمانیت کی صفت سے ہوتا ہے جیسا کہ جو کچھ خدا نے زمین و آسمان وغیرہ انسان کے لئے بنائے یا خود انسان کو بنایا یہ سب فیضِ رحمانیت سے ظہور میں آیا لیکن جب کوئی فیض کسی عمل اور عبادت اور مجاہدہ اور ریاضت کے عوض میں ہو وہ رحیمیت کا فیض کہلاتا ہے۔ یہی سنت اللہ بنی آدم کے لئے جاری ہے پس جب کہ انسان نماز اور یاد الٰہی میں خشوع کی حالت اختیار کرتا ہے تب اپنے تئیں رحیمیت کے فیضان کے لئے مستعد بناتا ہے۔ سو نطفہ میں اور روحانی وجود کے پہلے مرتبہ میں جو حالت خشوع ہے صرف فرق یہ ہے کہ نطفہ رحم کی کشش کا محتاج ہوتا ہے اور یہ رحیم کی کشش کی طرف احتیاج رکھتا ہے اور جیسا کہ نطفہ کے لئے ممکن ہے کہ وہ رحم کی کشش سے پہلے ہی ضائع ہو جائے۔

ایسا ہی رُوحانی وجود کے پہلے مرتبہ کے لئے یعنی حالت خشوع کے لئے ممکن ہے کہ وہ رحیم کی کشش اور تعلق سے پہلے ہی برباد ہو جائے۔ جیسا کہ بہت سے لوگ ابتدائی حالت میں اپنی نمازوں میں روتے اور وجد کرتے

اور نعرے مارتے اور خدا کی محبت میں طرح طرح کی دیوانگی ظاہر کرتے ہیں اور طرح طرح کی عاشقانہ حالت دکھلاتے ہیں اور چونکہ اس ذات ذوالفضل سے جس کا نام رحیم ہے کوئی تعلق پیدا نہیں ہوتا اور نہ اُس کی خاص تجلی کے جذبہ سے اُس کی طرف کھینچے جاتے ہیں اس لئے ان کا وہ تمام سوزوگداز اور تمام وہ حالتِ خشوع بے بنیاد ہوتی ہے اور بسا اوقات ان کا قدم پھسل جاتا ہے یہاں تک کہ پہلی حالت سے بھی بدتر حالت میں جا پڑتے ہیں۔ پس یہ عجیب دلچسپ مطابقت ہے کہ جیسا کہ نطفہ جسمانی وجود کا اوّل مرتبہ ہے اور جب تک رحم کی کشش اُس کی دستگیری نہ کرے وہ کچھ چیز ہی نہیں ایسا ہی حالتِ خشوع روحانی وجود کا اوّل مرتبہ ہے اور جب تک رحیم خدا کی کشش اُس کی دستگیری نہ کرے وہ حالتِ خشوع کچھ بھی چیز نہیں۔ اِسی لئے ہزارہا ایسے لوگوں کو پاؤ گے کہ اپنی عمر کے کسی حصہ میں یادِ الٰہی اور نماز میں حالت خشوع سے لذّت اٹھاتے اور وجد کرتے اور روتے تھے اور پھر کسی ایسی لعنت نے اُن کو پکڑ لیا کہ یک مرتبہ نفسانی امور کی طرف گر گئے اور دنیا اور دنیا کی خواہشوں کے جذبات سے وہ تمام حالت کھو بیٹھے۔ یہ نہایت خوف کا مقام ہے کہ اکثر وہ حالتِ خشوع رحیمیت کے تعلق سے پہلے ہی ضائع ہو جاتی ہے اور قبل اس کے کہ رحیم خدا کی کشش اس میں کچھ کام کرے وہ حالت برباد اور نابود ہو جاتی ہے اور ایسی صورت میں وہ حالت جو روحانی وجود کا پہلا مرتبہ ہے اس نطفہ سے مشابہت رکھتی ہے کہ جو رِحم سے تعلق پکڑنے سے پہلے ہی ضائع ہو جاتا ہے۔ غرض روحانی وجود کا پہلا مرتبہ جو حالتِ خشوع ہے اور جسمانی وجود کا پہلا مرتبہ جو نطفہ ہے باہم اس بات میں تشابہ رکھتے ہیں کہ جسمانی وجود کا پہلا مرتبہ یعنی نطفہ بغیر کششِ رحم کے ہیچ ہے اور روحانی وجود کا پہلا مرتبہ یعنی حالتِ خشوع بغیر جذبِ رحیم کے ہیچ اور جیسا کہ دنیا میں ہزارہا نطفے تباہ ہوتے ہیں اور نطفہ ہونے کی حالت میں ہی ضائع ہو جاتے ہیں اور رحم سے تعلق نہیں پکڑتے۔ ایسا ہی دنیا میں ہزارہا خشوع کی حالتیں ایسی ہیں کہ رحیم خدا سے تعلق نہیں پکڑتیں اور ضائع جاتی ہیں۔ ہزارہا جاہل اپنے چند روزہ خشوع اور وجد اور گریہ وزاری پر خوش ہو کر خیال کرتے ہیں کہ ہم ولی ہو گئے غوث ہو گئے قطب ہو گئے اور ابدال میں داخل ہو گئے اور خدا رسیدہ ہو گئے حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں ہنوز ایک نطفہ ہے۔ ابھی تو نام خدا ہے غنچہ صبا تو چُھو بھی نہیں گئی ہے۔ افسوس کہ انہیں خام خیالیوں سے ایک دنیا ہلاک ہو گئی۔ اور یاد رہے کہ یہ روحانی حالت کا پہلا مرتبہ جو حالتِ خشوع ہے طرح طرح کے اسباب سے ضائع ہو سکتا ہے جیسا کہ نطفہ جو جسمانی حالت کا پہلا مرتبہ ہے انواع اقسام کے حوادث سے تلف ہو سکتا ہے منجملہ ان کے ذاتی نقص بھی ہے۔ مثلاً اس خشوع میں کوئی مشرکانہ ملونی ہے یا کسی بدعت کی آمیزش ہے یا اور لغویات کا ساتھ اشتراک ہے۔ مثلاً نفسانی خواہشیں اور نفسانی ناپاک جذبات بجائے خود زور مار رہے ہیں یا سفلی تعلقات نے دل کو پکڑ رکھا ہے یا جیفۂ دنیا کی لغو خواہشوں نے زیر کر دیا ہے پس ان تمام ناپاک

عوارض کے ساتھ حالت خشوع اس لائق نہیں ٹھہرتی کہ رحیم خدا اس سے تعلق پکڑ جائے جیسا کہ اس نطفہ سے رحم تعلق نہیں پکڑ سکتا جو اپنے اندر کسی قسم کا نقص رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو جوگیوں کی حالت خشوع اور عیسائی پادریوں کی حالت انکسار ان کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی اور گو وہ سوزو گداز میں اس قدر ترقی کریں کہ اپنے جسم کو بھی ساتھ ہی استخوان بے پوست کر دیں تب بھی رحیم خدا اُن سے تعلق نہیں کرتا کیونکہ اُن کی حالت خشوع میں ایک ذاتی نقص ہے اور ایسا ہی وہ بدعتی فقیر اسلام کے جو قرآن شریف کی پیروی چھوڑ کر ہزاروں بدعات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بھنگ چرس اور شراب پینے سے بھی شرم نہیں کرتے اور دوسرے فسق وفجور بھی اُن کے لئے شیر مادر ہوتے ہیں چونکہ وہ ایسی حالت رکھتے ہیں کہ رحیم خدا سے اور اُس کے تعلق سے کچھ مناسبت نہیں رکھتے بلکہ رحیم خدا کے نزدیک وہ تمام حالتیں مکروہ ہیں اس لئے وہ باوجود اپنے طور کے وجد اور رقص اور اشعار خوانی اور سرود وغیرہ کے رحیم خدا کے تعلق سے سخت بے نصیب ہوتے ہیں اور اُس نطفہ کی طرح ہوتے ہیں جو آتشک کی بیماری یا جذام کے عارضہ سے جل جائے اور اس قابل نہ رہے کہ رحم اس سے تعلق پکڑ سکے پس رحم اور رحیم کا تعلق یا عدم تعلق ایک ہی بنا پر ہے صرف روحانی اور جسمانی عوارض کا فرق ہے۔ اور جیسا کہ نطفہ بعض اپنے ذاتی عوارض کی رُو سے اس لائق نہیں رہتا کہ رحم اس سے تعلق پکڑ سکے اور اس کو اپنی طرف کھینچ سکے ایسا ہی حالت خشوع جو نطفہ کے درجہ پر ہے بعض اپنے عوارض ذاتیہ کی وجہ سے جیسے تکبر اور عُجب اور ریا یا اور کسی قسم کی ضلالت کی وجہ سے یا شرک سے اس لائق نہیں رہتی کہ رحیم خدا اس سے تعلق پکڑ سکے پس نطفہ کی طرح تمام فضیلت روحانی وجود کے اوّل مرتبہ کی جو حالت خشوع ہے رحیم خدا کے ساتھ حقیقی تعلق پیدا کرنے سے وابستہ ہے جیسا کہ تمام فضیلت نطفہ کی رحم کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے وابستہ ہے پس اگر اس حالت خشوع کو اس رحیم خدا کے ساتھ حقیقی تعلق نہیں اور نہ حقیقی تعلق پیدا ہو سکتا ہے تو وہ حالت اُس گندے نطفہ کی طرح ہے جس کو رحم کے ساتھ حقیقی تعلق پیدا نہیں ہو سکتا اور یاد رکھنا چاہیئے کہ نماز اور یاد الٰہی میں جو کبھی انسان کو حالتِ خشوع میسر آتی ہے اور وجد اور ذوق پیدا ہو جاتا ہے یا لذّت محسوس ہوتی ہے یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس انسان کو رحیم خدا سے حقیقی تعلق ہے جیسا کہ اگر نطفہ اندام نہانی کے اندر داخل ہو جائے اور لذّت بھی محسوس ہو تو اس سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ اُس نطفہ کو رحم سے تعلق ہو گیا ہے بلکہ تعلق کے لئے علیحدہ آثار اور علامات ہیں۔ پس یاد الٰہی میں ذوق شوق جس کو دوسرے لفظوں میں حالتِ خشوع کہتے ہیں نطفہ کی اُس حالت سے مشابہ ہے جب وہ ایک صورتِ انزال پکڑ کر اندام نہانی کے اندر گر جاتا ہے اور اِس میں کیا شک ہے کہ وہ جسمانی عالم میں ایک کمال لذّت کا وقت ہوتا ہے لیکن تاہم فقط اُس قطرہ منی کا اندر گرنا اس بات کو مستلزم نہیں کہ رِحم سے

اُس نطفہ کا تعلق بھی ہو جائے اور وہ رحم کی طرف کھینچا جائے۔ پس ایسا ہی روحانی ذوق شوق اور حالتِ خشوع اس بات کو مستلزم نہیں کہ رحیم خدا سے ایسے شخص کا تعلق ہو جائے اور اس کی طرف کھینچا جائے۔ بلکہ جیسا کہ نطفہ کبھی حرامکاری کے طور پر کسی رنڈی کے اندام نہانی میں پڑتا ہے تو اس میں بھی وہی لذّت نطفہ ڈالنے والے کو حاصل ہوتی ہے جیسا کہ اپنی بیوی کے ساتھ۔ پس ایسا ہی بُت پرستوں اور مخلوق پرستوں کا خشوع و خضوع اور حالتِ ذوق اور شوق رنڈی بازوں سے مشابہ ہے یعنی خشوع اور خضوع مشرکوں اور اُن لوگوں کا جو محض اغراض دنیویہ کی بنا پر خدا تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اس نطفہ سے مشابہت رکھتا ہے جو حرامکار عورتوں کے اندام نہانی میں جا کر باعثِ لذّت ہوتا ہے۔ بہرحال جیسا کہ نطفہ میں تعلق پکڑنے کی استعداد ہے حالتِ خشوع میں بھی تعلق پکڑنے کی استعداد ہے مگر صرف حالتِ خشوع اور رِقّت اور سوز اس بات پر دلیل نہیں ہے کہ وہ تعلق ہو بھی گیا ہے جیسا کہ نطفہ کی صورت میں جو اس روحانی صورت کے مقابل پر ہی مشاہدہ ظاہر کر رہا ہے اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے صحبت کرے اور منی عورت کے اندام نہانی میں داخل ہو جائے اور اس کو اس فعل سے کمال لذّت حاصل ہو تو یہ لذّت اس بات پر دلالت نہیں کرے گی کہ حمل ضرور ہو گیا ہے۔ پس ایسا ہی خشوع اور سوز و گداز کی حالت گو وہ کیسی ہی لذّت اور سرور کے ساتھ ہو خدا سے تعلق پکڑنے کے لئے کوئی لازمی علامت نہیں ہے۔ یعنی کسی شخص میں نماز اور یادِ الٰہی کی حالت میں خشوع اور سوز و گداز اور گریہ وزاری پیدا ہونا لازمی طور پر اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس شخص کو خدا سے تعلق بھی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ سب حالات کسی شخص میں موجود ہوں مگر ابھی اس کو خدا تعالیٰ سے تعلق نہ ہو۔ جیسا کہ مشاہدہ صریحہ اس بات پر گواہ ہے کہ بہت سے لوگ پند و نصیحت کی مجلسوں اور وعظ و تذکیر کی محفلوں یا نماز اور یادِ الٰہی کی حالت میں خوب روتے اور وجد کرتے اور نعرے مارتے اور سوز و گداز ظاہر کرتے ہیں اور آنسو اُن کے رخساروں پر پانی کی طرح رواں ہو جاتے ہیں بلکہ بعض کا رونا تو مُنہ پر رکھا ہوا ہوتا ہے۔ ایک بات سنی اور وہیں رو دیا۔ مگر تاہم لغویات سے وہ کنارہ کش نہیں ہوتے اور بہت سے لغو کام اور لغو باتیں اور لغو سیر و تماشے اُن کے گلے کا ہار ہو جاتے ہیں۔ جن سے سمجھا جاتا ہے کہ کچھ بھی اُن کو خدا تعالیٰ سے تعلق نہیں اور نہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کچھ اُن کے دلوں میں ہے۔ پس یہ عجیب تماشا ہے کہ ایسے گندے نفسوں کے ساتھ بھی خشوع اور سوز و گداز کی حالت جمع ہو جاتی ہے۔ اور یہ عبرت کا مقام ہے اور اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مجرد خشوع اور گریہ وزاری کہ جو بغیر ترک لغویات ہو کچھ فخر کرنے کی جگہ نہیں اور نہ یہ قربِ الٰہی اور تعلق باللہ کی کوئی علامت ہے۔ بہت سے ایسے فقیر میں نے بچشم خود دیکھے ہیں اور ایسا ہی بعض دوسرے لوگ بھی دیکھنے میں آئے ہیں کہ کسی دردناک شعر کے پڑھنے یا دردناک نظارہ دیکھنے یا دردناک قصہ کے سننے سے اس جلدی سے ان

کے آنسو گرنے شروع ہو جاتے ہیں جیسا کہ بعض بادل اس قدر جلدی سے اپنے موٹے موٹے قطرے برساتے ہیں کہ باہر سونے والوں کو رات کے وقت فرصت نہیں دیتے کہ اپنا بستر بغیر تر ہونے کے اندر لے جاسکیں لیکن مَیں اپنی ذاتی شہادت سے گواہی دیتا ہوں کہ اکثر ایسے شخص میں نے بڑے مکّار بلکہ دنیاداروں سے آگے بڑھے ہوئے پائے ہیں اور بعض کو میں نے ایسے خبیث طبع اور بد دیانت اور ہر پہلو سے بدمعاش پایا ہے کہ مجھے اُن کی گریہ وزاری کی عادت اور خشوع و خضوع کی خصلت دیکھ کر اس بات سے کراہت آتی ہے کہ کسی مجلس میں ایسی رقت اور سوز و گداز ظاہر کروں۔ ہاں کسی زمانہ میں خصوصیت کے ساتھ یہ نیک بندوں کی علامت تھی مگر اب تو اکثر یہ پیرایہ مکّاروں اور فریب دہ لوگوں کا ہو گیا ہے سبز کپڑے۔ بال سر کے لمبے۔ ہاتھ میں تسبیح۔ آنکھوں سے دمبدم آنسو جاری۔ لبوں میں کچھ حرکت گویا ہر وقت ذکر الٰہی زبان پر جاری ہے اور ساتھ اس کے بدعت کی پابندی۔ یہ علامتیں اپنے فقر کی ظاہر کرتے ہیں۔ مگر دلِ مجذوم محبتِ الٰہی سے محروم۔ اِلّاماشاء اللہ۔ راستباز لوگ میری اس تحریر سے مستثنٰی ہیں جن کی ہر ایک بات بطور جوش اور حال کے ہوتی ہے نہ بطور تکلّف اور قال کے، بہرحال یہ تو ثابت ہے کہ گریہ وزاری اور خشوع اور خضوع نیک بندوں کے لئے کوئی مخصوص علامت نہیں بلکہ یہ بھی انسان کے اندر ایک قوت ہے جو محل اور بے محل دونوں صورتوں میں حرکت کرتی ہے۔ انسان بعض اوقات ایک فرضی قصہ پڑھتا ہے اور جانتا ہے کہ یہ فرضی اور ایک ناول کی قسم ہے مگر تاہم جب اس کے ایک دردناک موقعہ پر پہنچتا ہے تو اس کا دل اپنے قابو سے نکل جاتا ہے اور بے اختیار آنسو جاری ہوتے ہیں جو تھمتے نہیں۔ ایسے دردناک قصے یہاں تک مؤثر پائے گئے ہیں کہ بعض وقت خود ایک انسان ایک پُرسوز قصہ بیان کرنا شروع کرتا ہے اور جب بیان کرتے کرتے اس کے ایک پُردرد موقعہ پر پہنچتا ہے تو آپ ہی چشم پُرآب ہو جاتا ہے اور اس کی آواز بھی ایک رونے والے شخص کے رنگ میں ہو جاتی ہے آخر اس کا رونا اچھل پڑتا ہے اور جو رونے کے اندر ایک قسم کی سرور اور لذّت ہے وہ اس کو حاصل ہو جاتی ہے اور اس کو خوب معلوم ہوتا ہے کہ جس بنا پر وہ روتا ہے وہ بنا ہی غلط اور ایک فرضی قصہ ہے۔ پس کیوں اور کیا وجہ کہ ایسا ہوتا ہے اس کی یہی وجہ ہے کہ سوز و گداز اور گریہ وزاری کی قوت جو انسان کے اندر موجود ہے اُس کو ایک واقعہ کے صحیح یا غلط ہونے سے کچھ کام نہیں بلکہ جب اس کے لئے ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں جو اس قوت کو حرکت دینے کے قابل ہوتے ہیں تو خواہ نخواہ وہ رقّت حرکت میں آجاتی ہے اور ایک قسم کا سرور اور لذّت ایسے انسان کو پہنچ جاتا ہے گو وہ مومن ہو یا کافر۔ اسی وجہ سے غیر مشروع مجالس میں بھی جو طرح طرح کی بدعات پر مشتمل ہوتی ہیں بے قید لوگ جو فقیروں کے لباس میں اپنے تئیں ظاہر کرتے ہیں مختلف قسم کی کافیوں اور شعروں کے سننے اور سُرود کی تاثیر سے رقص اور وجد اور گریہ وزاری شروع کر دیتے ہیں

اور اپنے رنگ میں لذّت اُٹھاتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ ہم خدا کو مل گئے ہیں۔ مگر یہ لذّت اُس لذّت سے مشابہ ہے جو ایک زانی کو حرامکار عورت سے ہوتی ہے۔

اور پھر ایک اور مشابہت خشوع اور نطفہ میں ہے اور وہ یہ کہ جب ایک شخص کا نطفہ اس کی بیوی یا کسی اور عورت کے اندر داخل ہوتا ہے تو اس نطفہ کا اندام نہانی کے اندر داخل ہونا اور انزال کی صورت پکڑ کر رواں ہو جانا بعینہٖ رونے کی صورت پر ہوتا ہے جیسا کہ خشوع کی حالت کا نتیجہ بھی رونا ہی ہوتا ہے اور جیسے بے اختیار نطفہ اُچھل کر صورت انزال اختیار کرتا ہے۔ یہی صورت کمال خشوع کے وقت میں رونے کی ہوتی ہے کہ رونا آنکھوں سے اُچھلتا ہے اور جیسی انزال کی لذّت کبھی حلال طور پر ہوتی ہے جب کہ اپنی بیوی سے انسان صحبت کرتا ہے اور کبھی حرام طور پر جب کہ انسان کسی حرام کار عورت سے صحبت کرتا ہے۔ یہی صورت خشوع اور سوزو گداز اور گریہ وزاری کی ہے یعنی کبھی خشوع اور سوزو گداز محض خدائے واحد لاشریک کے لئے ہوتا ہے جس کے ساتھ کسی بدعت اور شرک کا رنگ نہیں ہوتا۔ پس وہ لذّت سوزو گداز کی ایک لذّت حلال ہوتی ہے مگر کبھی خشوع اور سوزو گداز اور اسکی لذّت بدعات کی آمیزش سے یا مخلوق کی پرستش اور بتوں اور دیویوں کی پوجا میں بھی حاصل ہوتی ہے مگر وہ لذّت حرامکاری کے جماع سے مشابہ ہوتی ہے۔ غرض مجرد خشوع اور سوزو گداز اور گریہ وزاری اور اس کی لذّتیں تعلق باللہ کو مستلزم نہیں بلکہ جیسا کہ بہت سے ایسے نطفے ہیں جو ضائع جاتے ہیں اور رحم اُن کو قبول نہیں کرتا۔ ایسا ہی بہت سے خشوع اور تضرع اور زاری ہیں جو محض آنکھوں کو کھونا ہے اور رحیم خدا ان کو قبول نہیں کرتا۔ غرض حالتِ خشوع کو جو روحانی وجود کا پہلا مرتبہ ہے نطفہ ہونے کی حالت سے جو جسمانی وجود کا پہلا مرتبہ ہے ایک کھلی کھلی مشابہت ہے جس کو ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں اور یہ مشابہت کوئی معمولی امر نہیں ہے بلکہ صانع قدیم جلّ شانہٗ کے خاص ارادہ سے ان دونوں میں اکمل اور اتم مشابہت ہے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی کتاب میں بھی لکھا گیا ہے کہ دوسرے جہان میں بھی یہ دونوں لذّتیں ہوں گی۔ مگر مشابہت میں اس قدر ترقی کر جائیں گی کہ ایک ہی ہو جائیں گی یعنی اُس جہان میں جو ایک شخص اپنی بیوی سے محبت اور اختلاط کرے گا وہ اس بات میں فرق نہیں کر سکے گا کہ وہ اپنی بیوی سے محبت اور اختلاط کرتا ہے یا محبت الٰہیہ کے دریائے بے پایاں میں غرق ہے اور واصلانِ حضرتِ عزت پر اِسی جہان میں یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے جو اہلِ دنیا اور محجوبوں کے لئے ایک امر فوق الفہم ہے۔

اب ہم یہ تو بیان کر چکے کہ روحانی وجود کا پہلا مرتبہ جو حالتِ خشوع ہے جسمانی وجود کے پہلے مرتبہ سے جو نطفہ ہے مشابہت تام رکھتا ہے۔ اس کے بعد یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ روحانی وجود کا دوسرا مرتبہ

بھی جسمانی وجود کے دوسرے مرتبہ سے مشابہ اور مماثل ہے۔ اِس کی تفصیل یہ ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ رُوحانی وجود کا دوسرا مرتبہ وہ ہے جو اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا گیا ہے یعنی وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ (المومنون: 4)یعنی مومن وہ ہیں جو لغو باتوں اور لغو کاموں اور لغو حرکتوں اور لغو مجلسوں اور لغو صحبتوں اور لغو تعلقات سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے مقابل پر جسمانی وجود کا دوسرا مرتبہ وہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے کلام عزیز میں عَلَقَةً کے نام سے موسوم فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً ۔(المومنون:15)یعنی پھر ہم نے نطفہ کو عَلَقَةً بنایا۔ یعنی ہم نے اُس کو لغو طور پر ضائع ہونے سے بچا کر رحم کی تاثیر اور تعلق سے عَلَقَةً بنا دیا۔ اس سے پہلے وہ معرض خطر میں تھا اور کچھ معلوم نہ تھا کہ وہ انسانی وجود بنے یا ضائع جائے۔ لیکن وہ رحم کے تعلق کے بعد ضائع ہونے سے محفوظ ہو گیا اور اس میں ایک تغیر پیدا ہو گیا جو پہلے نہ تھا۔ یعنی وہ ایک جمے ہوئے خون کی صورت میں ہو گیا۔ اور قوام بھی غلیظ ہو گیا اور رحم سے اس کا ایک علاقہ ہو گیا اس لئے اس کا نام عَلَقَةً رکھا گیا اور ایسی عورت حاملہ کہلانے کی مستحق ہو گئی۔ اور بوجہ اس علاقہ کے رحم اس کا سرپرست بن گیا اور اس کے زیر سایہ نطفہ کا نشوونما ہونے لگا۔ مگر اس حالت میں نطفہ نے کچھ زیادہ پاکیزگی حاصل نہیں کی۔ صرف ایک خون جما ہوا بن گیا اور رحم کے تعلق کی وجہ سے ضائع ہونے سے بچ گیا اور جس طرح اور صورتوں میں ایک نطفہ لغو طور پر پھیلتا اور بیہودہ طور پر اندر سے بہہ نکلتا اور کپڑوں کو پلید کرتا تھا اب اس تعلق کی وجہ سے بیکار جانے سے محفوظ رہ گیا۔ لیکن ہنوز وہ ایک جما ہوا خون تھا جس نے ابھی نجاست خفیفہ کی آلودگی سے پاکی حاصل نہیں کی تھی۔ اگر رحم سے یہ تعلق اس کا پیدا نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ اندام نہانی میں داخل ہو کر بھی رحم میں قرار نہ پا سکتا اور باہر کی طرف بہہ جاتا۔ مگر رحم کی قوت مدبّرہ نے اپنے خاص جذب سے اُس کو تھام لیا اور پھر ایک جمے ہوئے خون کی شکل پر بنا دیا۔ تب جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اس تعلق کی وجہ سے عَلَقَةً کہلایا اور اس سے پہلے رحم نے اُس پر کوئی اپنا خاص اثر ظاہر نہیں کیا تھا اور اسی اثر نے اس کو ضائع ہونے سے روکا اور اسی اثر سے نطفہ کی طرح اُس میں رقّت بھی باقی نہ رہی یعنی اس کا قوام رکیک اور پتلا نہ رہا بلکہ کسی قدر گاڑھا ہو گیا۔

اور اس عَلَقَةً کے مقابل پر جو جسمانی وجود کا دوسرا مرتبہ ہے روحانی وجود کا دوسرا مرتبہ وہ ہے جس کا ابھی ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں جس کی طرف قرآن شریف کی یہ آیت اشارہ کرتی ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ یعنی رہائی یافتہ مومن وہ لوگ ہیں جو لغو کاموں اور لغو باتوں اور لغو حرکتوں اور لغو مجلسوں اور لغو صحبتوں سے اور لغو تعلقات سے اور لغو جوشوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور ایمان ان کا اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اس

قدر کنارہ کشی اُن پر سہل ہو جاتی ہے کیونکہ بوجہ ترقیٔ ایمان کے کسی قدر تعلق اُن کا خدائے رحیم سے ہو جاتا ہے جیسا کہ علقہ ہونے کی حالت میں جب نطفہ کا تعلق کسی قدر رحم سے ہو جاتا ہے تو وہ لغو طور پر گر جانے یا بہ جانے یا اور طور پر ضائع ہو جانے سے امن میں آجاتا ہے اِلَّا ماشاء اللہ۔ سو روحانی وجود کے اس مرتبہ دوم میں خدائے رحیم سے تعلق بعینہٖ اُس تعلق سے مشابہ ہوتا ہے جو جسمانی وجود کے دوسرے مرتبہ پر علقہ کو رحم سے تعلق ہو جاتا ہے اور جیسا کہ قبل ظہور دوسرے مرتبہ وجود روحانی کے لغو تعلقات اور لغو شغلوں سے رہائی پانا غیر ممکن ہوتا ہے اور صرف وجود روحانی کا پہلا مرتبہ یعنی خشوع اور عجز و نیاز کی حالت اکثر برباد بھی چلی جاتی ہے اور انجام بد ہوتا ہے۔ ایسا ہی نطفہ بھی جو جسمانی وجود کا پہلا مرتبہ ہے علقہ بننے کی حالت سے پہلے بسا اوقات صدہا مرتبہ لغو طور پر ضائع ہو جاتا ہے پھر جب ارادہ الٰہی اس بات کے متعلق ہوتا ہے کہ لغو طور پر ضائع ہونے سے اس کو بچائے تو اُس کے امر اور اذن سے وہی نطفہ رحم میں علقہ بن جاتا ہے تب وہ وجود جسمانی کا دوسرا مرتبہ کہلاتا ہے غرض دوسرا مرتبہ روحانی وجود کا جو تمام لغو باتوں اور تمام کاموں سے پرہیز کرنا اور لغو باتوں اور لغو تعلقات اور لغو جوشوں سے کنارہ کش ہونا ہے یہ مرتبہ بھی اسی وقت میسّر آتا ہے کہ جب خدائے رحیم سے انسان کا تعلق پیدا ہو جائے۔ کیونکہ یہ تعلق میں ہی طاقت اور قوت ہے کہ دوسرے تعلق کو توڑتا ہے اور ضائع ہونے سے بچاتا ہے اور گو انسان کو اپنی نماز میں حالت خشوع میسر آجائے جو روحانی وجود کا پہلا مرتبہ ہے پھر بھی وہ خشوع لغو باتوں اور لغو کاموں اور لغو جوشوں سے روک نہیں سکتا۔ جب تک کہ خدا سے وہ تعلق نہ ہو جو روحانی وجود کے دوسرے مرتبہ پر ہوتا ہے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ گو ایک انسان اپنی بیوی سے ہر روز کئی دفعہ صحبت کرے تاہم وہ نطفہ ضائع ہونے سے رُک نہیں سکتا جب تک کہ رحم سے اس کا تعلق پیدا نہ ہو جائے۔

پس خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ وَالَّذِیۡنَ هُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ اس کے یہی معنے ہیں کہ مومن وہی ہیں جو لغو تعلقات سے اپنے تئیں الگ کرتے ہیں اور لغو تعلقات سے اپنے تئیں الگ کرنا خدا تعالیٰ کے تعلق کا موجب ہے۔ گویا لغو باتوں سے دل کو چھڑانا خدا سے دل کو لگالینا ہے کیونکہ انسان تعبّد ابدی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور طبعی طور پر اس کے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت موجود ہے پس اسی وجہ سے انسان کی روح کو خدا تعالیٰ سے ایک تعلق ازلی ہے۔ جیسا کہ آیت اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ‌ؕ قَالُوۡا بَلٰی۔ (الاعراف: 173) سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ تعلق جو انسان کو رحیمیّت کے پرتوہ کے نیچے آکر یعنی عبادات کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ سے حاصل ہوتا ہے جس تعلق کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ خدا پر ایمان لاکر ہر ایک لغو بات اور لغو کام اور لغو مجلس اور لغو حرکت اور لغو تعلق اور لغو جوش سے کنارہ کشی کی جائے۔ وہ اُسی ازلی تعلق کو ممکن قوت سے حیزِ فعل میں لانا ہے کوئی نئی بات نہیں ہے۔

اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں انسان کے روحانی وجود کا پہلا مرتبہ جو نماز اور یاد الٰہی میں حالتِ خشوع اور رقّت اور سوز و گداز ہے یہ مرتبہ اپنی ذات میں صرف اطلاق کی حیثیت رکھتا ہے یعنی نفس خشوع کے لئے یہ لازمی امر نہیں ہے کہ ترکِ لغویات بھی ساتھ ہی ہو یا اس سے بڑھ کر کوئی اخلاقِ فاضلہ اور عاداتِ مہذبہ ساتھ ہوں بلکہ ممکن ہے کہ جو شخص نماز میں خشوع اور رقّت و سوز اور گریہ وزاری اختیار کرتا ہے خواہ اس قدر کہ دوسرے پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے ہنوز لغو باتوں اور لغو کاموں اور لغو حرکتوں اور لغو مجلسوں اور لغو تعلقوں اور لغو نفسانی جوشوں سے اس کا دل پاک نہ ہو یعنی ممکن ہے کہ ہنوز معاصی سے اس کو رُستگاری نہ ہو کیونکہ خشوع کی حالت کا کبھی کبھی دل پر وارد ہونا یا نماز میں ذوق اور سرور حاصل ہونا یہ اور چیز ہے اور طہارتِ نفس اور چیز۔ اور گو کسی سالک کا خشوع اور عجز و نیاز اور سوز و گداز بدعت اور شرک کی آمیزش سے پاک بھی ہو تاہم ایسا آدمی جس کا وجود روحانی ابھی مرتبہ دوم تک نہیں پہنچا ابھی صرف قبلۂ روحانی کا قصد کر رہا ہے اور راہ میں سرگردان ہے اور ہنوز اُس کی راہ میں طرح طرح کے دشت و بیابان اور خارستان اور کوہستان اور بحرِ عظیم پُر طوفان اور درندگان دشمن ایمان و دشمن جان قدم قدم پر بیٹھے ہیں تاوقتیکہ وجود روحانی کے دوسرے مرتبہ تک نہ پہنچ جائے۔

یاد رہے کہ خشوع اور عجز و نیاز کی حالت کو یہ بات ہرگز لازم نہیں ہے کہ خدا سے سچا تعلق ہو جائے بلکہ بسا اوقات شریر لوگوں کو بھی کوئی نمونہ قہر الٰہی دیکھ کر خشوع پیدا ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ سے ان کو کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا اور نہ لغو کاموں سے ابھی رہائی ہوتی ہے۔ مثلاً وہ زلزلہ جو چار اپریل 1905ء کو آیا تھا اُس کے آنے کے وقت لاکھوں دلوں میں ایسا خشوع اور سوز و گداز ہوا تھا کہ بجز خدا کے نام لینے اور رونے کے اور کوئی کام نہ تھا یہاں تک کہ دہریوں کو بھی اپنا دہریہ پن بھول گیا تھا۔ اور پھر جب وہ وقت جاتا رہا اور زمین ٹھہر گئی تو حالتِ خشوع نابود ہو گئی یہاں تک کہ میں نے سنا ہے کہ بعض دہریوں نے جو اس وقت خدا کے قائل ہو گئے تھے بڑی بے حیائی اور دلیری سے کہا کہ ہمیں غلطی لگ گئی تھی کہ ہم زلزلہ کے رعب میں آ گئے ورنہ خدا نہیں ہے۔ غرض جیسا کہ ہم بار بار لکھ چکے ہیں خشوع کی حالت کے ساتھ بہت گند جمع ہو سکتے ہیں البتہ وہ تمام آئندہ کمالات کے لئے تخم کی طرح ہے مگر اسی حالت کو کمال سمجھنا اپنے نفس کو دھوکہ دینا ہے۔ بلکہ بعد اس کے ایک اور مرتبہ ہے جس کی تلاش مومن کو کرنی چاہئے اور کبھی آرام نہیں لینا چاہئے اور سست نہیں ہونا چاہئے جب تک وہ رتبہ حاصل نہ ہو جائے اور وہ وہی مرتبہ ہے جس کو کلام الٰہی نے ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ (المومنون:4) یعنی مومن صرف وہی لوگ نہیں ہیں جو نماز میں خشوع اختیار کرتے اور سوز و گداز ظاہر کرتے ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر وہ مومن ہیں کہ جو باوجود خشوع اور سوز و گداز کے تمام لغو باتوں

اور لغو کاموں اور لغو تعلقوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور اپنی خشوع کی حالت کو بیہودہ کاموں اور لغو باتوں کے ساتھ ملا کر ضائع اور برباد ہونے نہیں دیتے اور طبعاً تمام لغویات سے علیحدگی اختیار کرتے ہیں اور بیہودہ باتوں اور بیہودہ کاموں سے ایک کراہت اُن کے دلوں میں پیدا ہو جاتی ہے اور یہ اس بات پر دلیل ہوتی ہے کہ ان کو خدا تعالیٰ سے کچھ تعلق ہو گیا ہے کیونکہ ایک طرف سے انسان تب ہی منہ پھیرتا ہے جب دوسری طرف اس کا تعلق ہو جاتا ہے۔ پس دنیا کی لغو باتوں اور لغو کاموں اور لغو سیر و تماشا اور لغو صحبتوں سے واقعی طور پر اُسی وقت انسان کا دل ٹھنڈا ہوتا ہے جب دل کا خدائے رحیم سے تعلق ہو جائے اور دل پر اس کی عظمت اور ہیبت غالب آجائے۔ ایسا ہی نطفہ بھی اسی وقت لغو طور پر ضائع ہو جانے سے محفوظ ہوتا ہے جب رحم سے اس کا تعلق ہو جائے اور رحم کا اثر اس پر غالب آجائے اور اس تعلق کے وقت نطفہ کا نام علقہ ہو جاتا ہے۔ پس اسی طرح روحانی وجود کا دوسرا مرتبہ بھی جو مومن کا مُعرض عن اللغو ہونا ہے روحانی طور پر علقہ ہے کیونکہ اسی مرتبہ پر مومن کے دل پر ہیبت اور عظمت الٰہی وارد ہو کر اس کو لغو باتوں اور لغو کاموں سے چھڑاتی ہے اور ہیبت اور عظمتِ الٰہی سے متاثر ہو کر ہمیشہ کے لئے لغو باتوں اور لغو کاموں کو چھوڑ دینا یہی وہ حالت ہے جس کو دوسرے لفظوں میں تعلق باللہ کہتے ہیں لیکن یہ تعلق جو صرف لغویات کے ترک کرنے کی وجہ سے خدا تعالیٰ سے ہوتا ہے یہ ایک خفیف تعلق ہے کیونکہ اس مرتبہ پر مومن صرف لغویات سے تعلق توڑتا ہے لیکن نفس کی ضروری چیزوں سے اور ایسی باتوں سے جن پر معیشت کی آسودگی کا حصہ ہے ابھی اس کے دل کا تعلق ہوتا ہے اس لئے ہنوز ایک حصہ پلیدی کا اس کے اندر رہتا ہے۔ اِسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے وجودِ روحانی کے اس مرتبہ کو علقہ سے مشابہت دی ہے اور علقہ خون جما ہوا ہوتا ہے جس میں بباعث خون ہونے کے ایک حصہ پلیدی کا باقی ہوتا ہے اور اس مرتبہ میں یہ نقص اس لئے رہ جاتا ہے کہ ایسے لوگ پورے طور پر خدا تعالیٰ سے ڈرتے نہیں اور پورے طور پر ان کے دلوں میں حضرت عزّت جلّ شَانہٗ کی عظمت اور ہیبت نہیں بیٹھی اس لئے صرف نکمی اور لغو باتوں کے چھوڑنے پر قادر ہو سکتے ہیں نہ اور باتوں پر۔ پس ناچار اس قدر پلیدی اُن کے نفوس ناقصہ میں رہ جاتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے ایک خفیف سا تعلق پیدا کر کے لغویات سے تو کنارہ کش ہو جاتے ہیں لیکن وہ ان کاموں کو چھوڑ نہیں سکتے جن کا چھوڑنا نفس پر بہت بھاری ہے یعنی وہ خدا تعالیٰ کے لئے ان چیزوں کو چھوڑ نہیں سکتے جو نفسانی لذّات کے لئے لوازم ضروریہ ہیں اِس بیان سے ظاہر ہے کہ محض لغویات سے منہ پھیرنا ایسا امر نہیں ہے جو بہت قابلِ تحسین ہو بلکہ یہ مومن کی ایک ادنیٰ حالت ہے ہاں خشوع کی حالت سے ایک درجہ ترقی پر ہے۔

اور جسمانی وجود کے تیسرے درجہ کے مقابل پر روحانی وجود کا تیسرا درجہ واقع ہوا ہے اس کی

تفصیل یہ ہے کہ جسمانی وجود کا تیسرا مرتبہ یہ ہے جو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً۔ (المومنون:15) یعنی پھر بعد اس کے ہم نے علقہ کو بوٹی بنایا۔ یہ وہ مرتبہ ہے جس میں وجود جسمانی انسان کا ناپاکی سے باہر آتا ہے اور پہلے سے اس میں کسی قدر شدت اور صلابت بھی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ نطفہ اور خون جما ہوا جو علقہ ہے وہ دونوں ایک نجاستِ خفیفہ اپنے اندر رکھتے ہیں اور اپنے قوام کے رو سے بھی بہ نسبت مضغہ کے نرم اور رقیق ہیں مگر مضغہ جو ایک گوشت کا ٹکڑہ ہوتا ہے پاک حالت اپنے اندر پیدا کرتا ہے اور بہ نسبت نطفہ اور علقہ کے قوام میں بھی ایک حد تک سختی پیدا کرلیتا ہے۔ یہی حالت روحانی وجود کے تیسرے درجہ کی ہے اور روحانی وجود کا تیسرا درجہ وہ ہے جو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ۔ (المومنون:5) اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ وہ مومن کہ جو پہلی دو حالتوں سے بڑھ کر قدم رکھتا ہے وہ صرف بیہودہ اور لغو باتوں سے ہی کنارہ کش نہیں ہوتا بلکہ بخل کی پلیدی کو دُور کرنے کے لئے جو طبعاً ہر ایک انسان کے اندر ہوتی ہے زکوٰۃ بھی دیتا ہے یعنی خدا کی راہ میں ایک حصہ اپنے مال کا خرچ کرتا ہے۔ زکوٰۃ کا نام اسی لئے زکوٰۃ ہے کہ انسان اس کی بجا آوری سے یعنی اپنے مال کو جو اس کو بہت پیارا ہے لِلّٰہ دینے سے بخل کی پلیدی سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور جب بخل کی پلیدی جس سے انسان طبعاً بہت تعلق رکھتا ہے انسان کے اندر سے نکل جاتی ہے تو وہ کسی حد تک پاک بن کر خدا سے جو اپنی ذات میں پاک ہے ایک مناسبت پیدا کرلیتا ہے

کوئی اُس پاک سے جو دل لگاوے   کرے پاک آپ کو تب اُس کو پاوے

اور یہ مرتبہ پہلی دو حالتوں میں پایا نہیں جاتا۔ کیونکہ صرف خشوع اور عجز و نیاز یا صرف لغو باتوں کو ترک کرنا ایسے انسان سے بھی ہو سکتا ہے جس میں ہنوز بخل کی پلیدی موجود ہے لیکن جب انسان خدا تعالیٰ کے لئے اپنے اس مال عزیز کو ترک کرتا ہے جس پر اس کی زندگی کا مدار اور معیشت کا انحصار ہے اور جو محنت اور تکلیف اور عرق ریزی سے کمایا گیا ہے تب بخل کی پلیدی اس کے اندر سے نکل جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی ایمان میں بھی ایک شدت اور صلابت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ دونوں حالتیں مذکورہ بالا جو پہلے اس سے ہوتی ہیں اُن میں یہ پاکیزگی حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایک چھپی ہوئی پلیدی ان کے اندر رہتی ہے۔ اس میں حکمت یہی ہے کہ لغویات سے منہ پھیرنے میں صرف ترکِ شر ہے اور شر بھی ایسی جس کی زندگی اور بقا کے لئے کچھ ضرورت نہیں اور نفس پر اس کے ترک کرنے میں کوئی مشکل نہیں لیکن اپنا محنت سے کمایا ہوا مال محض خدا کی خوشنودی کے لئے دینا یہ کسبِ خیر ہے جس سے وہ نفس کی ناپاکی جو سب ناپاکیوں سے بدتر ہے یعنی بخل دُور ہوتا ہے لہٰذا یہ ایمانی حالت کا تیسرا درجہ ہے جو پہلے دو درجوں سے اشرف اور افضل ہے اور اس کے مقابل پر جسمانی وجود کے تیار

ہونے میں مضغہ کا درجہ ہے جو پہلے دو درجوں نطفہ اور علقہ سے فضیلت میں بڑھ کر ہے اور پاکی میں خصوصیت رکھتا ہے کیونکہ نطفہ اور علقہ دونوں نجاست خفیفہ سے ملوث ہیں مگر مضغہ پاک حالت میں ہے اور جس طرح رحم میں مضغہ کو بہ نسبت نطفہ اور علقہ کے ایک ترقی یافتہ حالت اور پاکیزگی پیدا ہو جاتی ہے اور بہ نسبت نطفہ اور علقہ کے رحم سے اس کا تعلق بھی زیادہ ہو جاتا ہے اور شدت اور صلابت بھی زیادہ ہو جاتی ہے یہی حالت وجود روحانی کی مرتبہ سوم کی ہے جس کی تعریف خدا تعالیٰ نے یہ فرمائی ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ۔ (المومنون: 5) یعنی مومن وہ ہیں جو اپنے نفس کو بخل سے پاک کرنے کے لئے اپنا عزیز مال خدا کی راہ میں دیتے ہیں اور اس فعل کو وہ آپ اپنی مرضی سے اختیار کرتے ہیں۔ پس وجود رُوحانی کی اس مرتبہ سوم میں وہی تین خوبیاں پائی جاتی ہیں جو وجود جسمانی کے مرتبہ سوم میں یعنی مضغہ ہونے کی حالت میں پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ حالت جو بخل سے پاک ہونے کے لئے اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنا اور اپنی محنت سے حاصل کردہ سرمایہ محض لِلّٰہ دوسرے کو دینا بہ نسبت اس حالت کے جو محض لغو باتوں اور لغو کاموں سے پرہیز کرنا ہے ایک ترقی یافتہ حالت ہے اور اس میں صریح اور بدیہی طور پر بخل کی پلیدی سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور خدائے رحیم سے تعلق بڑھتا ہے کیونکہ اپنے مال عزیز کو خدا کے لئے چھوڑنا بہ نسبت لغو باتوں کے چھوڑنے کے زیادہ تر نفس پر بھاری ہے اس لئے اس زیادہ تکلیف اٹھانے کے کام سے خدا سے تعلق بھی زیادہ ہو جاتا ہے اور بباعث ایک مشقت کا کام بجالانے کے ایمانی شدت اور صلابت بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

اب اس کے بعد روحانی وجود کا چوتھا درجہ وہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ذکر فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۔ (المومنون: 6) یعنی تیسرے درجہ سے بڑھ کر مومن وہ ہیں جو اپنے تئیں نفسانی جذبات اور شہوات ممنوعہ سے بچاتے ہیں۔ یہ درجہ تیسرے درجہ سے اس لئے بڑھ کر ہے کہ تیسرے درجہ کا مومن تو صرف مال کو جو اُس کے نفس کو نہایت پیارا اور عزیز ہے خدا تعالیٰ کی راہ میں دیتا ہے لیکن چوتھے درجہ کا مومن وہ چیز خدا تعالیٰ کی راہ میں نثار کرتا ہے جو مال سے بھی زیادہ پیاری اور محبوب ہے یعنی شہوات نفسانیہ۔ کیونکہ انسان کو اپنی شہواتِ نفسانیہ سے اس قدر محبت ہے کہ وہ اپنی شہوات کے پورا کرنے کے لئے اپنے مال عزیز کو پانی کی طرح خرچ کرتا ہے اور ہزارہا روپیہ شہوات کے پورا کرنے کے لئے برباد کر دیتا ہے اور شہوات کے حاصل کرنے کے لئے مال کو کچھ بھی چیز نہیں سمجھتا۔ جیسا کہ دیکھا جاتا ہے ایسے نجس طبع اور بخیل لوگ جو ایک محتاج بھوکے اور ننگے کو بباعث سخت بخل کے ایک پیسہ بھی دے نہیں سکتے شہوات نفسانیہ کے جوش میں بازاری عورتوں کو ہزارہا روپیہ دے کر اپنا گھر ویران کر لیتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ سیلاب شہوت

ایسا تُند اور تیز ہے کہ بخل جیسی نجاست کو بھی بہالے جاتا ہے۔ اس لئے یہ بدیہی امر ہے کہ بہ نسبت اس قوت ایمانی کے جس کے ذریعہ سے بخل دور ہوتا ہے اور انسان اپنا عزیز مال خدا کے لئے دیتا ہے یہ قوتِ ایمانی جس کے ذریعہ سے انسان شہواتِ نفسانیہ کے طوفان سے بچتا ہے نہایت زبردست اور شیطان کا مقابلہ کرنے میں نہایت سخت اور نہایت دیرپا ہے کیونکہ اس کا کام یہ ہے کہ نفسِ امّارہ جیسے پرانے اژدہا کو اپنے پیروں کے نیچے کچل ڈالتی ہے۔ اور بخل تو شہوات نفسانیہ کے پورا کرنے کے جوش میں اور نیز ریا اور نمود کے وقتوں میں بھی دُور ہو سکتا ہے مگر یہ طوفان جو نفسانی شہوات کے غلبہ سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ نہایت سخت اور دیرپا طوفان ہے جو کسی طرح بجز رحم خداوندی کے دور ہو ہی نہیں سکتا اور جس طرح جسمانی وجود کے تمام اعضاء میں سے ہڈی نہایت سخت ہے اور اس کی عمر بھی بہت لمبی ہے اسی طرح اس طوفان کے دور کرنے والی قوتِ ایمانی نہایت سخت اور عمر بھی لمبی رکھتی ہے تا ایسے دشمن کا دیر تک مقابلہ کر کے پامال کر سکے اور وہ بھی خدا تعالیٰ کے رحم سے کیونکہ شہواتِ نفسانیہ کا طوفان ایک ایسا ہولناک اور پُر آشوب طوفان ہے کہ بجز خاص رحم حضرت احدیت کے فرو نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے حضرت یوسف کو کہنا پڑا وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ۔ (یوسف:54) یعنی میں اپنے نفس کو بَری نہیں کرتا نفس نہایت درجہ بدی کا حکم دینے والا ہے اور اس کے حملہ سے مَخلصی غیر ممکن ہے مگر یہ کہ خود خدا تعالیٰ رحم فرماوے۔ اس آیت میں جیسا کہ فقرہ ہے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ طوفان نوح کے ذکر کے وقت بھی اسی کے مشابہ الفاظ ہیں کیونکہ وہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا عَاصِمَ الۡیَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ۔ (ہود:44) پس یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ طوفان شہواتِ نفسانیہ اپنی عظمت اور ہیبت میں نوح کے طوفان سے مشابہ ہے۔

اور اس درجہ روحانی کے مقابل پر جو وجودِ روحانی کا چوتھا 4 درجہ ہے جسمانی وجود کا درجہ چہارم ہے جس کے بارے میں قرآن شریف میں یہ آیت ہے فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَۃَ عِظٰمًا۔ (المومنون:15) یعنی پھر ہم نے مُضغہ سے ہڈیاں بنائیں۔ اور ظاہر ہے کہ ہڈیوں میں بہ نسبت مضغہ یعنی بوٹی کے زیادہ صلابت اور سختی پیدا ہو جاتی ہے اور نیز ہڈی بہ نسبت مضغہ کے بہت دیرپا ہے اور ہزاروں برس تک اس کا نشان رہ سکتا ہے پس وجود روحانی کے درجہ چہارم اور وجود جسمانی کے درجہ چہارم میں مشابہت ظاہر ہے کیونکہ وجود روحانی کے درجہ چہارم میں بہ نسبت وجود روحانی کے درجہ سوم کے ایمانی شدّت اور صلابت زیادہ ہے اور خدائے رحیم سے تعلق بھی زیادہ۔ ایسا ہی وجود جسمانی کے درجہ چہارم میں جو استخوان کا پیدا ہونا ہے بہ نسبت درجہ سوم وجود جسمانی کے جو محض مضغہ یعنی بوٹی ہے جسمانی طور پر شدت اور صلابت زیادہ ہے اور رحم سے تعلق بھی زیادہ۔

پھر چہارم درجہ کے بعد پانچواں 5 درجہ وجود روحانی کا وہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ذکر فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ۔ (المومنون: 5) یعنی پانچویں درجہ کے مومن جو چوتھے درجہ سے بڑھ گئے ہیں وہ ہیں جو صرف اپنے نفس میں یہی کمال نہیں رکھتے جو نفسِ امّارہ کی شہوات پر غالب آگئے ہیں اور اس کے جذبات پر اُن کو فتح عظیم حاصل ہو گئی ہے بلکہ وہ حتی الوسع خدا اور اس کی مخلوق کی تمام امانتوں اور تمام عہدوں کے ہر ایک پہلو کا لحاظ رکھ کر تقویٰ کی باریک راہوں پر قدم مارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جہاں تک طاقت ہے اس راہ پر چلتے ہیں۔ خدا کے عہدوں سے مراد وہ ایمانی عہد ہیں جو بیعت اور ایمان لانے کے وقت مومن سے لئے جاتے ہیں جیسے شرک نہ کرنا خونِ ناحق نہ کرنا وغیرہ۔

لفظ رَاعُوْنَ جو اس آیت میں آیا ہے جس کے معنے ہیں رعایت رکھنے والے۔ یہ لفظ عرب کے محاورہ کے موافق اُس جگہ بولا جاتا ہے جہاں کوئی شخص اپنی قوت اور طاقت کے مطابق کسی امر کی باریک راہ پر چلنا اختیار کرتا ہے اور اس امر کے تمام دقائق بجالانا چاہتا ہے اور کوئی پہلو اس کا چھوڑنا نہیں چاہتا۔ پس اس آیت کا حاصل مطلب یہ ہوا کہ وہ مومن جو وجودِ روحانی کے پنجم درجہ پر ہیں حتی الوسع اپنی موجودہ طاقت کے موافق تقویٰ کی باریک راہوں پر قدم مارتے ہیں اور کوئی پہلو تقویٰ کا جو امانتوں یا عہد کے متعلق ہے خالی چھوڑنا نہیں چاہتے اور سب کی رعایت رکھنا اُن کا ملحوظِ نظر ہوتا ہے اور اس بات پر خوش نہیں ہوتے کہ موٹے طور پر اپنے تئیں امین اور صادق العہد قرار دے دیں بلکہ ڈرتے رہتے ہیں کہ درپردہ اُن سے کوئی خیانت ظہور پذیر نہ ہو۔ پس طاقت کے موافق اپنے تمام معاملات میں توجہ سے غور کرتے رہتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ اندرونی طور پر اُن میں کوئی نقص اور خرابی ہو اور اسی رعایت کا نام دوسرے لفظوں میں تقویٰ ہے۔

خلاصہ مطلب یہ کہ وہ مومن جو وجود رُوحانی میں پنجم درجہ پر ہیں وہ اپنے معاملات میں خواہ خدا کے ساتھ ہیں خواہ مخلوق کے ساتھ بے قید اور خلیع الرسن نہیں ہوتے بلکہ اس خوف سے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک کسی اعتراض کے نیچے نہ آجاویں اپنی امانتوں اور عہدوں میں دُور دُور کا خیال رکھ لیتے ہیں اور ہمیشہ اپنی امانتوں اور عہدوں کی پڑتال کرتے رہتے ہیں اور تقویٰ کی دُوربین سے اس کی اندرونی کیفیت کو دیکھتے رہتے ہیں تا ایسا نہ ہو کہ درپردہ اُن کی امانتوں اور عہدوں میں کچھ فتور ہو اور جو امانتیں خدا تعالیٰ کی اُن کے پاس ہیں جیسے تمام قویٰ اور تمام اعضاء اور جان اور مال اور عزت وغیرہ ان کو حتی الوسع اپنی پابندی تقویٰ بہت احتیاط سے اپنے اپنے محل پر استعمال کرتے رہتے ہیں اور جو عہد ایمان لانے کے وقت خدا تعالیٰ سے کیا ہے کمال صدق سے حتی المقدور اس کے پورا کرنے کے لئے کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ایسا ہی جو امانتیں مخلوق کی اُن کے پاس ہوں یا ایسی چیزیں جو

امانتوں کے حکم میں ہوں اُن سب میں تابمقدور تقویٰ کی پابندی سے کاربند ہوتے ہیں۔ اگر کوئی تنازع واقع ہو تو تقویٰ کو مدّ نظر رکھ کر اس کا فیصلہ کرتے ہیں گو اس فیصلہ میں نقصان اٹھالیں۔ یہ درجہ چوتھے درجہ سے اس لئے بڑھ کر ہے کہ اس میں حتی الوسع تمام اعمال میں تقویٰ کی باریک راہوں سے کام لینا پڑتا ہے اور حتی الوسع جمیع امور میں ہر ایک قدم تقویٰ کی رعایت سے اٹھانا پڑتا ہے مگر چوتھا درجہ صرف ایک ہی موٹی بات ہے اور وہ یہ کہ زنا سے اور بدکاریوں سے پرہیز کرنا اور ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ زنا ایک بہت بے حیائی کا کام ہے اور اس کا مرتکب شہواتِ نفس سے اندھا ہو کر ایسا ناپاک کام کرتا ہے جو انسانی نسل کے حلال سِلسلہ میں حرام کو ملا دیتا ہے اور تضیع نسل کا موجب ہوتا ہے۔ اِسی وجہ سے شریعت نے اس کو ایسا بھاری گناہ قرار دیا ہے کہ اِسی دنیا میں ایسے انسان کے لئے حدِ شرعی مقرر ہے۔ پس ظاہر ہے کہ مومن کی تکمیل کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ وہ زنا سے پرہیز کرے کیونکہ زنا نہایت درجہ مفسد طبع اور بے حیا انسانوں کا کام ہے اور یہ ایک ایسا موٹا گناہ ہے جو جاہل سے جاہل اس کو بُرا سمجھتا ہے اور اس پر بجز کسی بے ایمان کے کوئی بھی دلیری نہیں کر سکتا۔ پس اِس کا ترک کرنا ایک معمولی شرافت ہے کوئی بڑے کمال کی بات نہیں لیکن انسان کی تمام روحانی خوبصورتی تقویٰ کی تمام باریک راہوں پر قدم مارنا ہے۔ تقویٰ کی باریک راہیں رُوحانی خوبصورتی کے لطیف نقوش اور خوشنما خط وخال ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی امانتوں اور ایمانی عہدوں کی حتی الوسع رعایت کرنا اور سر سے پیر تک جتنے قویٰ اور اعضاء ہیں جن میں ظاہری طور پر آنکھیں اور کان اور ہاتھ اور پیر اور دوسرے اعضاء ہیں اور باطنی طور پر دل اور دوسری قوتیں اور اخلاق ہیں۔ ان کو جہاں تک طاقت ہو ٹھیک ٹھیک محلِ ضرورت پر استعمال کرنا اور ناجائز مواضع سے روکنا اور ان کے پوشیدہ حملوں سے متنبہ رہنا اور اسی کے مقابل پر حقوق عباد کا بھی لحاظ رکھنا یہ وہ طریق ہے جو انسان کی تمام روحانی خوبصورتی اس سے وابستہ ہے اور خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں تقویٰ کو لباس کے نام سے موسوم کیا ہے۔ چنانچہ لِبَاسُ التَّقوٰی قرآن شریف کا لفظ ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روحانی خوبصورتی اور روحانی زینت تقوٰی سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اور تقویٰ یہ ہے کہ انسان خدا کی تمام امانتوں اور ایمانی عہد اور ایسا ہی مخلوق کی تمام امانتوں اور عہد کی حتی الوسع رعایت رکھے یعنی ان کے دقیق در دقیق پہلوؤں پر تابمقدور کاربند ہو جائے۔

یہ تو وجودِ روحانی کا پانچواں درجہ ہے اور اس کے مقابل پر جسمانی وجود کا پانچواں درجہ وہ ہے جس کا اس آیت کریمہ میں ذکر ہے فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا۔ (المومنون:15) یعنی پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت مڑھ دیا اور جسمانی بناوٹ کی کسی قدر خوبصورتی دکھلا دی۔ یہ عجیب مطابقت ہے کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے ایک جگہ روحانی

طور پر تقویٰ کو لباس قرار دیا ہے ایسا ہی کَسَوْنَا کا لفظ جو کسوت سے نکلا ہے وہ بھی بتلا رہا ہے کہ جو گوشت ہڈیوں پر مڑھا جاتا ہے وہ بھی ایک لباس ہے جو ہڈیوں پر پہنایا جاتا ہے۔ پس یہ دونوں لفظ دلالت کر رہے ہیں کہ جیسی خوبصورتی کا لباس تقویٰ پہناتی ہے ایسا ہی وہ کسوت جو ہڈیوں پر چڑھائی جاتی ہے ہڈیوں کے لئے ایک خوبصورتی کا پیرایہ بخشتی ہے۔ وہاں لباس کا لفظ ہے اور یہاں کسوت کا اور دونوں کے معنے ایک ہیں اور نص قرآنی باآواز بلند پکار رہی ہے کہ دونوں کا مقصد خوبصورتی ہے اور جیسا کہ انسان کی رُوح پر سے اگر تقویٰ کا لباس اتار دیا جائے تو روحانی بدشکلی اس کی ظاہر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر وہ گوشت و پوست جو حکیم مطلق نے انسان کی ہڈیوں پر مڑھا ہے اگر ہڈیوں پر سے اتار دیا جائے تو انسان کی جسمانی شکل نہایت مکروہ نکل آتی ہے مگر اس درجہ پنجم میں خواہ درجہ پنجم وجود جسمانی کا ہے اور خواہ درجہ پنجم وجود روحانی کا ہے کامل خوبصورتی پیدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ ابھی رُوح کا اُس پر فیضان نہیں ہوا۔ یہ امر مشہود و محسوس ہے کہ ایک انسان گو کیسا ہی خوبصورت ہو جب وہ مر جاتا ہے اور اُس کی رُوح اس کے اندر سے نکل جاتی ہے تو ساتھ ہی اس حُسن میں بھی فرق آ جاتا ہے جو اُس کو قدرتِ قادر نے عطا کیا تھا۔ حالانکہ تمام اعضاء اور تمام نقوش موجود ہوتے ہیں مگر صرف ایک رُوح کے نکلنے سے انسانی قالب کا گھر ایک ویران اور سُنسان سا معلوم ہوتا ہے اور آب و تاب کا نشان نہیں رہتا۔ یہی حالت رُوحانی وجود کے پانچویں درجہ کی ہے کیونکہ یہ امر بھی مشہود و محسوس ہے کہ جب تک کسی مومن میں خدا تعالیٰ کی طرف سے اُس رُوح کا فیضان نہ ہو جو وجودِ رُوحانی کے چھٹے درجہ پر ملتی ہے اور ایک فوق العادت طاقت اور زندگی بخشتی ہے تب تک خدا کی امانتوں کے ادا کرنے اور اُن کے ٹھیک طور پر استعمال کرنے اور صدق کے ساتھ اس کا ایمانی عہد پورا کرنے اور ایسا ہی مخلوق کے حقوق اور عہدوں کے ادا کرنے میں وہ آب و تاب تقویٰ پیدا نہیں ہوتی جس کا حُسن اور خوبی دلوں کو اپنی طرف کھینچے اور جس کی ہر ایک ادا فوق العادت اور اعجاز کے رنگ میں معلوم ہو بلکہ قبل اس رُوح کے تقویٰ کے ساتھ تکلّف اور بناوٹ کی ایک ملونی رہتی ہے کیونکہ اس میں وہ رُوح نہیں ہوتی جو حُسنِ روحانی کی آب و تاب دکھلا سکے اور یہ سچ اور بالکل سچ ہے کہ ایسے مومن کا قدم جو ابھی اس رُوح سے خالی ہے پورے طور پر نیکی پر قائم نہیں رہ سکتا بلکہ جیسا کہ ایک ہَوا کے دھکّا سے مُردہ کا کوئی عضو حرکت کر سکتا ہے اور جب ہوا دُور ہو جائے تو پھر مُردہ اپنی حالت پر آ جاتا ہے ایسا ہی وجودِ رُوحانی کے پنجم درجہ کی حالت ہوتی ہے کیونکہ صرف عارضی طور پر خدا تعالیٰ کی نسیمِ رحمت اس کو نیک کاموں کی طرف جنبش دیتی رہتی ہے اور اس طرح تقویٰ کے کام اُس سے صادر ہوتے ہیں۔ لیکن ابھی نیکی کی رُوح اس کے اندر آباد نہیں ہوتی اس لئے وہ حسنِ معاملہ اس میں پیدا نہیں ہوتا جو اس رُوح کے داخل ہونے کے بعد اپنا جلوہ دکھلاتا ہے۔ غرض پنجم

مرتبہ وجود روحانی کا گو ایک ناقص مرتبہ حُسن تقویٰ کا حاصل کر لیتا ہے مگر کمال اس حُسن کا وجودِ روحانی کے درجہ ششم پر ہی ظاہر ہوتا ہے جب کہ خدا تعالیٰ کی اپنی محبتِ ذاتیہ روحانی وجود کے لئے ایک رُوح کی طرح ہو کر انسان کے دل پر نازل ہوتی اور تمام نقصانوں کا تدارک کرتی ہے اور انسان محض اپنی قوتوں کے ساتھ کبھی کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ رُوح خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل نہ ہو۔ جیسا کہ حافظ شیرازی نے فرمایا ہے

مابدان منزلِ عالی نتوانیم رسید ہاں مگر لطف تو چوں پیش نہد گامے چند[1]

پھر درجہ پنجم کے بعد چھٹا درجہ وجود روحانی کا وہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اِس آیت کریمہ میں ذکر فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ۔ (المومنون:10) یعنی چھٹے 6 درجہ کے مومن جو پانچویں درجہ سے بڑھ گئے ہیں وہ ہیں جو اپنی نمازوں پر آپ محافظ اور نگہبان ہیں یعنی وہ کسی دوسرے کی تذکیر اور یاد دہانی کے محتاج نہیں رہے بلکہ کچھ ایسا تعلّق ان کو خدا سے پیدا ہو گیا ہے اور خدا کی یاد کچھ اس قسم کی محبوب طبع اور مدارِ آرام اور مدارِ زندگی ان کے لئے ہو گئی ہے کہ وہ ہر وقت اس کی نگہبانی میں لگے رہتے ہیں اور ہر دم ان کا یادِ الٰہی میں گذرتا ہے اور نہیں چاہتے کہ ایک دم بھی خدا کے ذکر سے الگ ہوں۔

اب ظاہر ہے کہ انسان اسی چیز کی محافظت اور نگہبانی میں تمام تر کوشش کر کے ہر دم لگا رہتا ہے جس کے گم ہونے میں اپنی ہلاکت اور تباہی دیکھتا ہے جیسا کہ ایک مسافر جو ایک بیابان بے آب و دانہ میں سفر کر رہا ہے جس کے صدہا کوس تک پانی اور روٹی ملنے کی کوئی امید نہیں وہ اپنے پانی اور روٹی کی جو ساتھ رکھتا ہے بہت محافظت کرتا ہے اور اپنی جان کے برابر اس کو سمجھتا ہے کیونکہ وہ یقین رکھتا ہے کہ اس کے ضائع ہونے میں اس کی موت ہے۔ پس وہ لوگ جو اُس مسافر کی طرح اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں اور گو مال کا نقصان ہو یا عزت کا نقصان ہو یا نماز کی وجہ سے کوئی ناراض ہو جائے نماز کو نہیں چھوڑتے اور اس کے ضائع ہونے کے اندیشہ میں سخت بے تاب ہوتے اور پیچ و تاب کھاتے گویا مر ہی جاتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ ایک دم بھی یادِ الٰہی سے الگ ہوں۔ وہ درحقیقت نماز اور یاد الٰہی کو اپنی ایک ضروری غذا سمجھتے ہیں جس پر ان کی زندگی کا مدار ہے اور یہ حالت اس وقت پیدا ہوتی ہے کہ جب خدا تعالیٰ اُن سے محبت کرتا ہے اور اس کی محبتِ ذاتیہ کا ایک افروختہ شعلہ جس کو روحانی وجود کے لئے ایک رُوح کہنا چاہیئے اُن کے دل پر نازل ہوتا ہے اور ان کو حیاتِ ثانی بخش دیتا ہے اور وہ رُوح ان کے تمام وجود روحانی کو روشنی اور زندگی بخشتی ہے۔ تب وہ نہ کسی تکلّف اور بناوٹ سے خدا کی یاد میں لگے رہتے ہیں بلکہ وہ خدا جس نے جسمانی طور پر انسان کی زندگی روٹی اور پانی پر موقوف رکھی ہے وہ ان

1۔ ترجمہ: ہم اس عالی منزل تک (محض اپنی ہمت سے) نہیں پہنچ سکتے۔ ہاں مگر یہ تیرا ہی لطف و کرم ہے کہ چند قدم آگے بڑھے۔

کی رُوحانی زندگی کو جس سے وہ پیار کرتے ہیں اپنی یاد کی غذا سے وابستہ کر دیتا ہے۔ اس لئے وہ اس روٹی اور پانی کو جسمانی روٹی اور پانی سے زیادہ چاہتے ہیں۔ اور اس کے ضائع ہونے سے ڈرتے ہیں اور یہ اس رُوح کا اثر ہوتا ہے جو ایک شعلہ کی طرح اُن میں ڈالی جاتی ہے۔ جس سے عشقِ الٰہی کی کامل مستی اُن میں پیدا ہو جاتی ہے اس لئے وہ یادِ الٰہی سے ایک دم الگ ہونا نہیں چاہتے۔ وہ اس کے لئے دکھ اُٹھاتے اور مصائب دیکھتے ہیں مگر اس سے ایک لحظہ بھی جدا ہونا نہیں چاہتے اور پاس انفاس کرتے ہیں۔ اور اپنی نمازوں کے محافظ اور نگہبان رہتے ہیں۔ اور یہ اَمر اُن کے لئے طبعی ہے کیونکہ درحقیقت خدا نے اپنی محبت سے بھری ہوئی یاد کو جس کو دوسرے لفظوں میں نماز کہتے ہیں ان کے لئے ایک ضروری غذا مقرر کر دیا ہے اور اپنی محبتِ ذاتیہ سے اُن پر تجلّی فرما کر یادِ الٰہی کی ایک دلکش لذّت ان کو عطا کی ہے۔ پس اس وجہ سے یادِ الٰہی جان کی طرح بلکہ جان سے بڑھ کر ان کو عزیز ہو گئی ہے اور خدا کی ذاتی محبت ایک نئی رُوح ہے جو شعلہ کی طرح ان کے دلوں پر پڑتی ہے اور ان کی نماز اور یادِ الٰہی کو ایک غذا کی طرح ان کے لئے بنا دیتی ہے۔ پس وہ یقین رکھتے ہیں کہ اُن کی زندگی روٹی اور پانی سے نہیں بلکہ نماز اور یادِ الٰہی سے جیتے ہیں۔

غرض محبت سے بھری ہوئی یادِ الٰہی جس کا نام نماز ہے وہ درحقیقت ان کی غذا ہو جاتی ہے جس کے بغیر وہ جی ہی نہیں سکتے اور جس کی محافظت اور نگہبانی بعینہٖ اس مسافر کی طرح وہ کرتے رہتے ہیں جو ایک دشت بے آب و دانہ میں اپنی چند روٹیوں کی محافظت کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں اور اپنے کسی قدر پانی کو جان کے ساتھ رکھتا ہے جو اس کی مشک میں ہے۔ واہب مطلق نے انسان کی روحانی ترقیات کے لئے یہ بھی ایک مرتبہ رکھا ہوا ہے جو محبت ذاتی اور عشق کے غلبہ اور استیلا کا آخری مرتبہ ہے اور درحقیقت اس مرتبہ پر انسان کے لئے محبت سے بھری ہوئی یادِ الٰہی جس کا شرعی اصطلاح میں نماز نام ہے غذا کے قائم مقام ہو جاتی ہے بلکہ وہ بار بار جسمانی رُوح کو بھی اس غذا پر فدا کرنا چاہتا ہے وہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا جیسا کہ مچھلی بغیر پانی کے زندہ نہیں رہ سکتی اور خدا سے علیحدہ ایک دم بھی بسر کرنا اپنی موت سمجھتا ہے۔ اور اس کی رُوح آستانہ الٰہی پر ہر وقت سجدہ میں رہتی ہے اور تمام آرام اُس کا خدا ہی میں ہو جاتا ہے اور اس کو یقین ہوتا ہے کہ مَیں اگر ایک طرفۃ العین بھی یادِ الٰہی سے الگ ہوا تو بس میں مرا اور جس طرح روٹی سے جسم میں تازگی اور آنکھ اور کان وغیرہ اعضاء کی قوتوں میں توانائی آجاتی ہے۔ اِسی طرح اس مرتبہ پر یادِ الٰہی جو عشق اور محبت کے جوش سے ہوتی ہے مومن کی روحانی قوتوں کو ترقی دیتی ہے یعنی آنکھ میں قوتِ کشف نہایت صاف اور لطیف طور پر پیدا ہو جاتی ہے اور کان خدا تعالیٰ کے کلام کو سُنتے ہیں اور زبان پر وہ کلام نہایت لذیذ اور اجلیٰ اور اصفیٰ طور پر جاری ہو جاتا ہے اور رؤیائے صادقہ

بکثرت ہوتے ہیں۔ جو فلق صبح کی طرح ظہور میں آجاتے ہیں اور بباعث علاقہ صافیہ محبت جو حضرت عزت سے ہوتا ہے مبشر خوابوں سے بہت سا حصہ اُن کو ملتا ہے۔ یہی وہ مرتبہ ہے جس مرتبہ پر مومن کو محسوس ہوتا ہے کہ خدا کی محبت اس کے لئے روٹی اور پانی کا کام دیتی ہے۔ یہ نئی پیدائش اس وقت ہوتی ہے جب پہلے روحانی قالب تمام تیار ہو چکتا ہے۔ اور پھر وہ رُوح جو محبتِ ذاتیہ الٰہیہ کا ایک شعلہ ہے ایسی مومن کے دل پر آپڑتا ہے اور یک دفعہ طاقت بالانشیمن بشریت سے بلند تر اُس کو لے جاتی ہے۔ اور یہ مرتبہ وہ ہے جس کو روحانی طور پر خَلقِ آخر کہتے ہیں۔ اس مرتبہ پر خدا تعالیٰ اپنی ذاتی محبت کا ایک افروختہ شعلہ جس کو دوسرے لفظوں میں روح کہتے ہیں مومن کے دل پر نازل کرتا ہے اور اس سے تمام تاریکیوں اور آلائشوں اور کمزوریوں کو دُور کر دیتا ہے۔ اور اس رُوح کے پھونکنے کے ساتھ ہی وہ حُسن جو ادنیٰ مرتبہ پر تھا کمال کو پہنچ جاتا ہے اور ایک روحانی آب و تاب پیدا ہو جاتی ہے اور گندی زندگی کی کبودگی بکلّی دُور ہو جاتی ہے اور مومن اپنے اندر محسوس کر لیتا ہے کہ ایک نئی رُوح اس کے اندر داخل ہو گئی ہے جو پہلے نہیں تھی۔ اُس رُوح کے ملنے سے ایک عجیب سکینت اور اطمینان مومن کو حاصل ہو جاتی ہے اور محبتِ ذاتیہ ایک فوّارہ کی طرح جوش مارتی اور عبودیت کے پودہ کی آبپاشی کرتی ہے اور وہ آگ جو پہلے ایک معمولی گرمی کی حد تک تھی اس درجہ پر وہ تمام و کمال افروختہ ہو جاتی ہے اور انسانی وجود کے تمام خس و خاشاک کو جلا کر الوہیت کا قبضہ اس پر کر دیتی ہے۔ اور وہ آگ تمام اعضاء پر احاطہ کر لیتی ہے۔ تب اُس لوہے کی مانند جو نہایت درجہ آگ میں تپایا جائے یہاں تک کہ سُرخ ہو جائے اور آگ کے رنگ پر ہو جائے۔ اس مومن سے اُلوہیت کے آثار اور افعال ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ لوہا بھی اس درجہ پر آگ کے آثار اور افعال ظاہر کرتا ہے مگر یہ نہیں کہ وہ مومن خدا ہو گیا ہے بلکہ محبتِ الٰہیہ کا کچھ ایسا ہی خاصہ ہے جو اپنے رنگ میں ظاہر وجود کو لے آتی ہے اور باطن میں عبودیت اور اس کا ضعف موجود ہوتا ہے۔ اس درجہ پر مومن کی روٹی خدا ہوتا ہے جس کے کھانے پر اس کی زندگی موقوف ہے اور مومن کا پانی بھی خدا ہوتا ہے جس کے پینے سے وہ موت سے بچ جاتا ہے۔ اور اس کی ٹھنڈی ہوا بھی خدا ہی ہوتا ہے جس سے اس کے دل کو راحت پہنچتی ہے۔ اور اس مقام پر استعارہ کے رنگ میں یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ خدا اس مرتبہ کے مومن کے اندر داخل ہوتا اور اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کرتا اور اس کے دل کو اپنا تخت گاہ بنالیتا ہے۔ تب وہ اپنی رُوح سے نہیں بلکہ خدا کی رُوح سے دیکھتا اور خدا کی رُوح سے سُنتا اور خدا کی رُوح سے بولتا اور خدا کی رُوح سے چلتا اور خدا کی رُوح سے دشمنوں پر حملہ کرتا ہے کیونکہ وہ اس مرتبہ پر نیستی اور استہلاک کے مقام میں ہوتا ہے اور خدا کی رُوح اس پر اپنی محبتِ ذاتیہ کے ساتھ تجلّی فرما کر حیاتِ ثانی اس کو بخشتی ہے۔ پس اس وقت روحانی طور پر اس پر یہ آیت

صادق آتی ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ (المومنون: 15)

یہ تو وجود روحانی کا مرتبہ ششم ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اور اس کے مقابل پر جسمانی پیدائش کا مرتبہ ششم ہے اور اس جسمانی مرتبہ کے لئے بھی وہی آیت ہے جو روحانی مرتبہ کے لئے اوپر ذکر ہو چکی ہے یعنی ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب ہم ایک پیدائش کو طیار کر چکے تو بعد اس کے ہم نے ایک اور پیدائش سے انسان کو پیدا کیا۔ اَور کے لفظ سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ وہ ایسی فوق الفہم پیدائش ہے جس کا سمجھنا انسان کی عقل سے بالاتر ہے اور اُس کے فہم سے بہت دُور یعنی رُوح جو قالب کی طیاری کے بعد جسم میں ڈالی جاتی ہے وہ ہم نے انسان میں روحانی اور جسمانی دونوں طور پر ڈال دی جو مجہول الکنہ ہے اور جس کی نسبت تمام فلسفی اور اس مادی دنیا کے تمام مقلّد حیران ہیں کہ وہ کیا چیز ہے۔ اور جب کہ حقیقت تک اُن کو راہ نہ ملی تو اپنی اٹکل سے ہر ایک نے تکیں لگائیں۔ کسی نے روح کے وجود سے ہی انکار کیا۔ اور کسی نے اس کو قدیم اور غیر مخلوق سمجھا۔ پس اللہ تعالیٰ اس جگہ فرماتا ہے کہ "روح" بھی خدا کی پیدائش ہے مگر دنیا کے فہم سے بالاتر ہے اور جیسا کہ اس دنیا کے فلاسفر اس رُوح سے بے خبر ہیں جو وجود جسمانی کے چھٹے مرتبہ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے جسم پر فائض ہوتی ہے ویسا ہی وہ لوگ اس رُوح سے بھی بے علم رہے کہ جو وجود رُوحانی کے چھٹے مرتبہ پر مومن صادق کو خدا تعالیٰ سے ملتی ہے اور اس بارے میں بھی مختلف راہیں اختیار کیں۔ بہتوں نے ایسے لوگوں کی پوجا شروع کر دی جن کو وہ رُوح بھی دی گئی تھی اور ان کو قدیم اور غیر مخلوق اور خدا سمجھ لیا اور بہتوں نے اس سے انکار کر دیا کہ اس مرتبہ کے لوگ بھی ہوتے ہیں اور ایسی رُوح بھی انسان کو ملتی ہے۔

لیکن اس بات کو بہت جلد ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ جب کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور خدا نے زمین کے تمام پرند وچرند پر اس کو بزرگی دے کر اور سب پر حکومت بخش کر اور عقل و فہم عنایت فرما کر اور اپنی معرفت کی ایک پیاس لگا کر اپنے ان تمام افعال سے جتلا دیا ہے کہ انسان خدا کی محبت اور عشق کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو پھر اس سے کیوں انکار کیا جائے کہ انسان محبتِ ذاتیہ کے مقام تک پہنچ کر اس درجہ تک پہنچ جائے کہ اس کی محبت پر خدا کی محبت ایک رُوح کی طرح وارد ہو کر تمام کمزوریاں اس کی دُور کر دے۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وجود رُوحانی کے ششم مرتبہ کے بارے میں فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ۔ (المومنون: 10) ایسا ہی دائمی حضور اور سوز و گداز اور عبودیت انسان سے سرزد ہو اور اس طرح پر وہ اپنے وجود کی علّتِ غائی کو پورا کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ (الذاریات: 57) یعنی مَیں نے پرستش کے لئے ہی جِنّ و اِنس کو پیدا کیا ہے۔ ہاں یہ پرستش اور حضرت عزّت کے سامنے دائمی حضور کے ساتھ

کھڑا ہونا بجز محبتِ ذاتیہ کے ممکن نہیں۔ اور محبت سے مراد یک طرفہ محبت نہیں بلکہ خالق اور مخلوق کی دونوں محبتیں مراد ہیں تا بجلی کی آگ کی طرح جو مرنے والے انسان پر گرتی ہے اور جو اُس وقت اس انسان کے اندر سے نکلتی ہے بشریت کی کمزوریوں کو جلا دیں اور دونوں مل کر تمام رُوحانی وجود پر قبضہ کر لیں۔

یہی وہ کامل صورت ہے جس میں انسان ان امانتوں اور عہد کو جن کا ذکر وجود روحانی کے مرتبہ پنجم میں تحریر ہے کامل طور پر اپنے اپنے موقع پر ادا کر سکتا ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ مرتبہ پنجم میں انسان صرف تقویٰ کے لحاظ سے خدا اور مخلوق کی امانتوں اور عہد کا لحاظ رکھتا ہے اور اس مرتبہ پر محبت ذاتی کے تقاضا سے جو خدا کے ساتھ اس کو ہو گئی ہے جس کی وجہ سے خدا کی مخلوق کی محبت بھی اُس میں جوش زن ہو گئی ہے اور اس رُوح کے تقاضا سے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس پر نازل ہوتی ہے ان تمام حقوق کو طبعاً بوجہ احسن ادا کرتا ہے اور اس صورت میں وہ حسن باطنی جو حسنِ ظاہری کے مقابل پر ہے بوجہ احسن اس کو نصیب ہو جاتا ہے کیونکہ وجود روحانی کے مرتبہ پنجم میں تو ابھی وہ رُوح انسان میں داخل نہیں ہوئی تھی جو محبتِ ذاتیہ سے پیدا ہوتی ہے اس لئے جلوۂ حُسن بھی ابھی کمال پر نہیں تھا مگر رُوح کے داخل ہونے کے بعد وہ حسن کمال کو پہنچ جاتا ہے۔“

(براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 185 تا 218)

(جاری ہے)

سیرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت و سوانح پر 79 کے قریب لکھی جانے والی کتب کا تعارف

قسط سوم

(اے۔ولیم)

اب دیکھتے ہو کیسا رجوع جہاں ہوا

18:حیاتِ احمدؑ

i۔حیات النبی یعنی سیرت حضرت مسیح موعود جلد اول

مصنفہ:حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ

کل صفحات:96(صفحات کا سائز عام کتابی سائز سے قدرے بڑا ہے یعنی 10x6 کا)

بار اول 7 اکتوبر 1915ء ہندوستان سٹیم پریس لاہور میں باہتمام بابو پرتاب سنگھ بھاٹیہ شائع ہوئی۔

سوانحی تعارف:

(پیدائش:1872ء،وفات:5 دسمبر 1957ء)

1891ء میں انگریزی مڈل پاس کر کے لاہور کے ماڈل سکول میں داخل ہوگئے۔ اور 1893ء میں انٹرنس پاس کیا، آپ کو 1889ء میں پہلی مرتبہ حضرت مسیح موعودؑ سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔اور اسی سال آپ کو بیعت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ آپ کو مختلف اخبارات کے ایڈیٹر کے طور پر کام سرانجام دینے کی توفیق بھی ملی۔ اکتوبر 1897ء میں حضور اقدسؑ کی خواہش کے پیشِ نظر ایک اخبار "الحکم" کے نام سے جاری کیا۔1924ء میں سفر یورپ کے موقع پر آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ہمراہ تھے اور مسجد فضل لندن کے سنگِ بنیاد کے موقع پر موجود تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کو 1954ء میں صدر انجمن احمدیہ قادیان کا ممبر مقرر فرمایا۔

5 دسمبر 1957ء کو وفات ہوئی اور چند ماہ بعد بہشتی مقبرہ قادیان میں تدفین ہوئی۔

آپ کی دیگر تصنیفات: آئینہ حق نما بجواب الہامات مرزا، احکام القرآن، احمدی اور ان کا مذہب، احمدی عورتوں کے فرائض، ارمغان عرفانی، الاسماء الحسنیٰ، اسماء القرآن فی القرآن، تحفہ سالانہ یا رپورٹ جلسہ سالانہ 1897ء وغیرہ

تعارف کتاب:

ستمبر 1915ء میں یہ کتاب لکھی جانی شروع ہوئی اور اکتوبر میں اس کی پہلی جلد شائع ہوئی۔ یہ پہلی جلد 96 صفحات پر مشتمل ہے، صفحات کا سائز عام کتابی سائز سے قدرے بڑا ہے یعنی 10x6 کا، حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کی تفصیلات سے لے کر آپؑ کے 1879ء تک کے اہم حالات وواقعات کا ذکر ہے۔

ii۔حیات النبی یعنی سیرت حضرت مسیح موعود جلد اول نمبر دوم

مصنفہ: حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ صفحات:95

تعارف کتاب:

یہ پہلی بار 14 دسمبر 1915ء میں شائع ہوئی اور ہندوستان سٹیم پریس لاہور سے طبع ہوئی۔ یہ دوسری جلد بھی مصنف کے نزدیک سوانح عمری ہی ہے۔ اور 95 صفحات پر مشتمل ہے۔ گو کہ صفحات کے نمبر جلد اوّل سے مسلسل ہیں یوں یہ جلد صفحہ نمبر 97 سے شروع ہوتی ہے اور 192 تک ہے، اور براہین احمدیہ کی تصنیف سے پہلے کے زمانہ کے اہم حالات وواقعات، سیرت وسوانح دونوں قسم کے واقعات موجود ہیں۔

پہلی دو جلدیں "حیات النبیؑ" کے نام سے شائع ہوئی ہیں اور اب اس کا نام "حیات احمدؑ" رکھا گیا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ حضرت عرفانیؓ کی تحریر وتصنیف کے اس سلسلہ کے متعلق اپنی ایک متبرک تحریر میں فرماتے ہیں:

"حیات النبی۔ مصنفہ شیخ یعقوب علی صاحب تراب عرفانی شیخ صاحب موصوف پرانے احمدی ہیں۔ اور سلسلہ کے خاص آدمیوں میں سے ہیں مہاجر ہیں اور کئی سال حضرت مسیح موعود کی صحبت اُٹھائی ہے۔ ان کے اخبار الحکم میں سلسلہ کی تاریخ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سوانح اور سیرت کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ شیخ صاحب کو شروع سے ہی تاریخ سلسلہ کے محفوظ رکھنے اور جمع کرنے کا شوق رہا ہے۔ اور دراصل صرف حیات النبی ہی وہ تصنیف ہے جو اس وقت تک حضرت مسیح موعودؑ کے سوانح اور سیرت میں ایک مستقل اور

مفصل تصنیف کے طور پر شروع کی گئی ہے۔ اس کی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور قابل دید ہیں۔" (سیرت المہدی جلد اول روایت نمبر 181)

iii۔ حیاتِ احمدؑ، یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سوانح حیات جلد اول نمبر 3

مصنفہ: حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ صفحات: 96

تاریخ اشاعت: نومبر 1928ء مطبع: راست گفتار پریس ہال بازار امرتسر

تعارف کتاب:

براہین احمدیہ کی اشاعت سے قبل کے زمانے کے واقعات اس میں مذکور ہیں۔

iv۔ حیاتِ احمدؑ، یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سوانح حیات جلد دوم نمبر سوم

مصنفہ: حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کل صفحات: 257

تاریخ اشاعت: دسمبر 1951ء پریس: اسلامی پریس حیدرآباد دکن

تعارف کتاب:

اس جلد کی اشاعت 18 سال کے وقفہ کے بعد ممکن ہوئی جیسا کہ مصنف نے کتاب کے آغاز میں ذکر کیا ہے۔ اس کتاب میں 1884ء سے 1888ء تک کے واقعات کا بیان ہے۔

v۔ حیاتِ احمدؑ، یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سوانح حیات (عہد جدید جلد اول) بہ سلسلہ قدیم جلد سوم

مصنفہ: حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کل صفحات: 252

سن اشاعت: اگست 1952ء مطبع: اسلامی پریس حیدرآباد دکن

تعارف کتاب:

یہ کتاب 1889ء سے 1892ء تک کے واقعات پر محیط ہے۔

vi۔ حیاتِ احمدؑ، یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سوانح حیات (عہد جدید جلد دوم) بہ سلسلہ قدیم جلد چہارم

مصنفہ: حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کل صفحات: 274

سن اشاعت: اگست 1953ء مطبع: انتظامی پریس حیدرآباد دکن

تعارف کتاب:

اس جلد میں صفحات کے نمبر مسلسل ہیں جو اس سے پہلی جلد سے شروع ہیں اس لئے یہ جلد صفحہ 253 سے شروع ہوتی ہے اور 526 تک ہے۔ یہ کتاب 1893ء سے 1897ء تک کے واقعات پر محیط ہے۔

vii۔ حیات احمدؑ جلد اول

مرتبہ: حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کل صفحات: 452

تعارف کتاب:

حضرت شیخ عرفانی صاحبؓ کی تصنیف "حیات احمدؑ" جس کا اوپر تعارف کروایا گیا ہے۔ اور جو کہ ایک عرصہ سے نایاب تھی انہیں دوبارہ کمپیوٹر کی ٹائپ سیٹنگ میں کمپوز کر کے شائع کیا گیا ہے۔ اس پر سن اشاعت اور مطبع وغیرہ پرنٹ نہیں ہے۔ لیکن کمپوزنگ اور پرانی کئی جلدوں کے اس ایک جلد میں ہونے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ نیا اور جدید ایڈیشن ہے۔ اس پہلی جلد میں ابتدائی چند جلدیں یعنی ابتداء سے براہین احمدیہ کی اشاعت تک، شامل اشاعت کی گئی ہیں۔

حیاتِ احمدؑ کی اس کتاب کو نظارت اشاعت ربوہ نے دوبارہ سے شائع کیا ہے۔ جو کہ اس کتاب کا جدید ایڈیشن ہے۔ اور یہ پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔

viii۔ حیات احمدؑ جلد اول (ہر سہ حصص)

مرتبہ: حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کل صفحات: 442

شائع کردہ: نظارت اشاعت ربوہ

تعارف کتاب:

2013ء میں شائع ہونے والا اس کتاب کا یہ جدید ایڈیشن ہے۔ اس جلد میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی ولادت سے لے کر 1879ء تک کے واقعات درج ہیں۔

ix۔ حیات احمدؑ جلد دوم (ہر سہ حصص)

مرتبہ: حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کل صفحات: 589

شائع کردہ: نظارت اشاعت ربوہ

تعارف کتاب:

حیات احمدؑ کے اس جدید ایڈیشن کی مذکورہ جلد میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے تصنیف

براہینِ احمدیہ سے لے کر 1888ء تک کے حالاتِ زندگی درج ہیں۔

x۔حیات احمدؑ جلد سوم

مرتبہ: حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کل صفحات:409

شائع کردہ: نظارت اشاعت ربوہ

تعارف کتاب:

اس جلد میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے 1889ء سے لے کر 1892ء تک کے حالاتِ زندگی کا احاطہ کیا گیا ہے۔

xi۔حیات احمدؑ جلد چہارم

مرتبہ: حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کل صفحات:588

شائع کردہ: نظارت اشاعت ربوہ

تعارف کتاب:

حیات احمدؑ کی اس جلد میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے 1893ء سے 1897ء تک کے حالاتِ زندگی مذکور ہیں۔

xii۔حیات احمدؑ جلد پنجم حصہ اول

مرتبہ: حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کل صفحات:482

شائع کردہ: نظارت اشاعت ربوہ

تعارف کتاب:

حیات احمدؑ کی اس جلد میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے 1898ء سے 1900ء تک کے سوانح کا احاطہ کیا گیا ہے۔

xiii۔حیات احمدؑ جلد پنجم حصہ دوم

مرتبہ: حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کل صفحات:335

شائع کردہ: نظارت اشاعت ربوہ

تعارف کتاب:

حیات احمدؑ کی یہ آخری جلد حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے سال 1901ء اور 1902ء کے

واقعاتِ زندگی پر محیط ہے۔

19:سیرت حضرت مسیح موعودؑ

i۔سیرت حضرت مسیح موعود حصہ اول

مصنفہ:حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کل صفحات:164

تاریخ اشاعت:12مئی1924ء

خواجہ پریس بٹالہ میں احمد وجودی مالک و مطبع و پرنٹر کے اہتمام سے چھپوا کر تراب منزل قادیان سے شائع ہوئی۔

تعارف کتاب:

اس پہلے حصہ میں آپؑ کی شکل و لباس وطعام، عادات و معمولات، آپ کی انگوٹھیوں اور مہر کا ذکر بھی ہے۔ دن بھر کی مصروفیات کی ایک جھلک بھی ہے۔ فلسفۂ اخلاق اور عفوو درگذر، دشمنوں سے حسن سلوک اور اکرام ضیف جیسے سیرت کے پہلوؤں کا بیان ہے۔

آپ کے خوبصورت اور مبارک حلیہ کے تذکرے اور اس کی اہمیت کا بیان بھی ہے۔ خدائے رحیم و کریم کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ جیسے عاشق جانثار کو کہ جنہوں نے حضرت اقدسؑ کو محبت وعقیدت کی نگاہ سے خوب خوب دیکھا اور پھر اپنے دل و نظر کی روشنائی سے اس حلیہ کو صفحات قرطاس پر موتیوں کی طرح ایسے پرو دیا کہ کوئی بھی جب حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی سیرت و سوانح لکھتا ہے تو اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ہر چند کہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ بھی کبار صحابہؓ میں شمار ہو سکتے ہیں۔ اور حضرت اقدسؑ کی سیرت نگاری میں ایک ممتاز نام اور مقام بھی رکھتے ہیں۔ لیکن انہوں نے بھی جب اپنی اس کتاب کا یہ پہلا باب حلیہ اور شمائل کا لکھا تو اس میں رقم فرمایا:

"آپ کے حلیہ مبارک کو ایک مرتبہ میرے مکرم معظم بھائی ڈاکٹر سید محمد اسماعیل صاحب خلف اکبر حضرت میر ناصر نواب صاحب قبلہ نے لکھا تھا۔ اور میں اسے آپ کے حلیہ کا بہترین بیان یقین کرتا ہوں اس لئے میں اسے ہی درج کرتا ہوں..." (سیرت حضرت مسیح موعودؑ جلد1 صفحہ3)

ii۔سیرت حضرت مسیح موعود:حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شمائل اور اخلاق کا تذکرہ، حصہ دوم

مصنفہ:حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب احمدی عرفانیؓ

کل صفحات:145　　　　　　　　　　تاریخ اشاعت:10 اپریل 1925ء

آفتاب برقی پریس امرتسر باہتمام محمد عبد اللہ منہاس پرنٹر چھپوا کر تراب منزل قادیان سے شائع ہوئی۔

تعارف کتاب:

اس کتاب کے صفحات کے نمبر بھی مسلسل ہیں اور یہ دوسرا حصہ صفحہ 165 سے شروع ہوتا ہے اور 310 نمبر صفحات تک جاری رہتا ہے۔ اس حصہ میں عیادت و تعزیت، اخوت و خلت، غیرت دینی، جود و سخا و احسان و عطا جیسے عناوین پر واقعات ہیں۔

iii۔ سیرت حضرت مسیح موعود: حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شمائل و عادات اور اخلاق کا تذکرہ، حصہ سوم

مصنفہ: حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ

کل صفحات:156　　　　　　　　　　تاریخ اشاعت:20 نومبر 1927ء

جسے ابو الخیر محمود احمد (مجاہد مصری) نے انقلاب سٹیم پریس لاہور میں چھپوا کر انوار احمدیہ بکڈپو قادیان سے شائع کیا۔

تعارف کتاب:

مسلسل صفحات کے اعتبار سے یہ صفحہ نمبر 311 سے شروع ہو کر 466 تک ہے۔ اس تیسرے حصہ میں جود و سخا کے کچھ واقعات کے بعد بے تکلفی اور سادہ زندگی، خدام سے حسن سلوک، تربیت اولاد، بچوں پر شفقت، حسن معاشرت، مساوات و مؤاخات، حلم و ضبط کے واقعات کا بیان ہے۔

iv۔ سیرت حضرت مسیح موعود: حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شمائل و عادات اور اخلاق کا تذکرہ، حصہ چہارم

مصنفہ: حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب احمدی عرفانیؓ

حصہ چہارم کے بارہ میں ناشر کی طرف سے یہ نوٹ دیا گیا ہے:

"باوجود کوشش کے ابھی تک نہیں ملی۔ اس لئے اس کتاب میں شامل نہیں ہے۔"

خاکسار کو یہ حصہ ابھی تک نہیں مل سکا۔ تلاش کی جا رہی ہے۔ قادیان کے کتب خانوں اور بعض جگہ انفرادی طور پر رابطہ بھی کیا ہے، تاحال کامیابی نہیں ہو سکی۔ کاش سیرت اقدسؑ کا یہ نایاب خزانہ کہیں سے برآمد ہو جائے۔ اس کتاب کے پیش لفظ کو پڑھا جائے تو ایک خیال یہ بھی آتا ہے کہ شاید چوتھا حصہ شائع ہی نہ ہوا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

v۔ سیرت حضرت مسیح موعود: حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے شمائل وعادات اور اخلاق کا تذکرہ، (آپ کی دعاؤں کے آئینہ میں) حصہ پنجم

مصنفہ: حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ

کل صفحات: 170 تاریخ اشاعت: نومبر 1943ء

تعارف کتاب:

اس کا صرف ٹائٹل مطبع نظام دکن حیدر آباد دکن میں طبع ہوا۔ تاریخ اشاعت 20 نومبر 1943ء اور یہ مسلسل صفحات میں 469 نمبر صفحہ سے شروع ہو کر 639 تک ہے گویا کل 170 صفحات پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ اس کے عنوان سے ظاہر ہے کہ آپؑ کی دعاؤں کے حوالہ سے آپؑ کی سیرت کا قدرے تفصیلی بیان ہے۔ اور شب و روز اور جلوت وخلوت کی دعائیں مذکور ہیں۔

اب یہ چاروں حصص ایک ہی جلد میں اور نئی کمپوزنگ کے ساتھ شائع ہوئے ہیں۔ اس نئی جلد کے کل صفحات 639 ہیں۔ پہلی جلد 164 صفحات، اور دوسری جلد 165 سے 310، تیسری جلد 311 تا 466 صفحات تک، چوتھی جلد کی بابت صفحہ 467 پر اس کو دوبارہ شائع کرنے والے کی طرف سے نوٹ دیا گیا ہے کہ: ”باوجود کوشش کے ابھی تک نہیں ملی۔ اسلئے اس کتاب میں شامل نہیں“، جلد پنجم صفحہ 469 سے شروع ہو کر 639 تک ہے۔ اور اس کے ساتھ 19 صفحات کا انڈیکس بھی شامل ہے جو آیات قرآنیہ، اسماء، مقامات اور کتابیات پر مشتمل ہے۔

20: ذکرِ حبیبؑ

مصنفہ: حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحبؓ کل صفحات: 48

تعارف کتاب:

حضرت عرفانی صاحبؓ نے 1949ء میں جلسہ سالانہ قادیان کے موقعہ پر ایک تقریر فرمائی۔ یہ وہی تقریر ہے جسے کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔

21: گلزار احمدی: پنجابی منظوم حالات زندگی (تین حصے)

مصنفہ: حضرت سید میر حامد شاہ صاحبؓ کل صفحات: 215

ناشر: محمد اسماعیل قریشی دارالیمن ربوہ مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ

سوانحی تعارف:

آپ کے والد محترم حضرت میر حسام الدین صاحب بھی حضرت مسیحِ موعودؑ کے صحابی تھے، 1904ء کے سفر سیالکوٹ میں حضرت اقدسؑ انہی کے مکان پر قیام فرما ہوئے تھے۔ اعلیٰ پائے کے شاعر تھے۔ آپ صدر انجمن احمدیہ کے ممبر بھی رہے۔ خلافتِ ثانیہ کی بیعت قدرے توقف کے بعد بذریعہ استخارہ کی اور بعد ازاں حضرت خلیفة المسیح الثانیؓ سے والہانہ عشق و محبت سے سرشار رہے۔ 15 نومبر 1918ء کو آپ حرکتِ قلب بند ہونے سے انتقال فرما گئے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر قریبا 60 سال تھی۔ حضرت خلیفة المسیح الثانیؓ کی ہدایت پر جنازہ سیالکوٹ سے قادیان لایا گیا اور بہشتی مقبرہ قادیان کے قطعہ صحابہؓ میں تدفین عمل میں آئی۔

تعارف کتاب:

کتاب کا پہلا حصہ 80 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ حضرت مسیح موعودؑ کے حالات زندگی پنجابی منظوم کلام کی صورت میں ہے۔ کتاب کے آغاز میں حمد باری تعالیٰ ہے اس کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود و صلوٰۃ ہے، پھر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندانی حالات اور سوانح کا بیان ہے۔ امام مہدی کی دس نشانیوں کا ذکر ہے، براہین احمدیہ کی تصنیف، ماموریت، شادی اور مبشر اولاد، سفر ہوشیار پور اور دیگر اہم واقعات بیعت کے اعلان تک، اس کتاب کا دوسرا حصہ جو کہ 56 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں سلسلہ احمدیہ کے بعض اہم واقعات کا تذکرہ ہے جو کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی سوانح مبارکہ سے متعلق ہیں۔ تیسرا حصہ 79 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں بھی اسی طرح بعض اہم واقعات جیسے چولہ بابا نانکؒ، جلسہ اعظم مذاہب، لیکھرام کی ہلاکت، ملکہ وکٹوریہ کو دعوت اسلام، مارٹن کلارک کا مقدمہ، طاعون، پیر مہر علی شاہ کو مقابلہ کی دعوت اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کا بیان ہے۔ اسکے چند اشعار یہ ہیں:

آخر وقت مقدر نزدیک آیا صبح دس بجے جس آن میاں
پاس اپنے رب دے جا پہنچے فانی چھڈ کے ایہہ جہان میاں
جاری مکھ تھیں ایہہ الفاظ آہے راوی کرن بیان عیان میاں
میرے پیارے اللہ، میرے پیارے اللہ، پیارے اللہ سی ورد زبان میاں
طائر روح دا جدوں پرواز ہویا، جُھلّی آن کے باد خزان میاں
جو موجود آہے اصحاب مہدیؑ ہویا اونہاں اندھیر جہان میاں

(گلزار احمد حصہ 3 صفحہ 77،78)

اردو ترجمہ: اے صاحب صبح دس بجے کے قریب جب حضرت علیہ السلام کا آخری وقت آن پہنچا تو یہ فانی دنیا چھوڑ کر وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے۔

جو چشمدید راوی ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ آپؑ کے منہ سے نکلنے والے آخری الفاظ تھے: ”میرے پیارے اللہ، میرے پیارے اللہ، میرے پیارے اللہ“

اور جب روح کا پرندہ قفس عنصری سے پرواز کر گیا تو آپ کے صحابہؓ کا موسم بہار خزاں میں تبدیل ہو گیا اور ان کے لئے تو ساری دنیا ہی گویا اندھیر ہو گئی۔

اس کتاب کے حاشیہ میں شاعر / مصنف نے بعض واقعات کی تفصیلات اور تشریحات اردو زبان میں بھی دی ہیں جو بہت باموقعہ اور بر محل ہونے کی وجہ سے اس کتاب کی اہمیت کو اور بھی بڑھانے کا موجب ہیں۔

22: جری اللہ فی حلل الانبیاء

حضور اقدس حضرت مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سوانح عمری المعروف بہ چمکار احمدی، پنجابی منظوم سیرت وسوانح

مصنفہ: جھنڈے خاں منشی صاحب علم — کل صفحات: 88

ناشر: حکیم محمد عبد اللطیف گجراتی

تعارف کتاب:

اس کتاب کا آغاز جو کہ پنجابی منظوم کلام کی صورت میں ہے حمد وثناء سے ہوتا ہے پھر شان سرور دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مدح پھر خلفائے راشدین کی منقبت، آنحضرت ﷺ کی وفات اور قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران:145)، مجددین کی بعثت اور ان کے نام، حضرت مسیح موعودؑ کے خاندانی حالات، آپؑ کا بچپن، حصول تعلیم، سیالکوٹ میں ملازمت اور وہاں پادریوں سے تبلیغی گفتگو کا ذکر ہے۔ ایک شعر یوں ہے:

پادریاں دا وڈا صاحب آہا ریورنڈ ٹیلر
خوب مدلل، عالم، عاقل، ایم اے پاس تے افسر

(چمکارِ احمدی صفحہ 20)

دیگر اہم واقعات کا تفصیلی ذکر ہے۔ اور بعض ضروری امور کی وضاحت کے لئے اردو زبان میں حواشی بھی درج ہیں۔ اس کتاب کی کتابت ابو رشید حافظ محمد افضل کاتب سکنہ کڑیانوالہ ضلع گجرات مہاجر قادیان نے کی جیسا کہ کتاب ہذا کے صفحہ 87 پر مذکور ہے۔

مصنف کی اس کتاب سے یہ شعر اس لئے بھی یہاں دیا گیا ہے کہ بعض علم دوست احباب جنہیں تحقیق سے شغف ہے ان کے درمیان یہ موضوع بھی زیر بحث رہا کہ حضرت اقدسؑ بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب سیالکوٹ میں بسلسلہ ملازمت مقیم تھے تو اس وقت وہاں ایک سکاچ مشن کی طرف سے پادری تھے جن کا نام بٹلر آتا ہے۔ جبکہ اس نام کا تو پادری اس زمانے میں سیالکوٹ میں نہ تھا بلکہ اس وقت کے ریکارڈ کے مطابق جو نام ان کے اپنے کاغذات اور ریکارڈ کے رجسٹروں میں موجود ہے وہ ٹیلر ہے۔ تو اب ان کتب کے تعارف کے لئے جب ان کتب کا مطالعہ کیا تو یہ کتاب جو پنجابی منظوم کلام پر مشتمل ہے۔ اس میں مصنف جب سیالکوٹ کے اسی زمانے کے واقعات کو منظوم بیان کرتے ہیں تو یہ اس کا نام بٹلر نہیں بیان کرتے بلکہ ریورنڈ ٹیلر ہی بیان کرتے ہیں۔ جو اس بات کی ایک اور دلیل ہے کہ بٹلر نام نہ تھا اور یہ کہ اسی پادری کا ٹیلر نام سلسلہ کی کتب میں بھی موجود تھا۔ [اس کی مزید تفصیل حضرت اقدس علیہ السلام کے سیالکوٹ میں قیام کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔ اور اب تو حضور انور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی شائع ہو چکا ہے کہ تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا نام ٹیلر ہی تھا۔]

23: حضرت احمد علیہ السلام کی پاکیزہ زندگی

مصنفہ: حضرت قاضی محمد یوسف فاروقی صاحبؓ　　　　کل صفحات: 16

پرنٹر و پبلشر:　　حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ

مطبع: کریمی پریس لاہور پنجاب، شائع کردہ سیکرٹری انجمن احمدیہ پشاور مسجد احمدیہ جہانگیر پورہ پشاور

سن طباعت الگ سے درج نہیں۔ اس کے ٹائٹل پر فروری 1935ء درج ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہی تاریخ اشاعت ہوگی۔

سوانحی تعارف:

حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ ابن قاضی محمد صدیق صاحب مؤرخہ یکم ستمبر 1883ء بمقام ہوتی (مردان) میں پیدا ہوئے۔ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کی 15 جنوری 1902ء کو بذریعہ خط اور بعد ازاں دسمبر 1902ء میں آپؑ کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ آپؑ کی وفات کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے ہاتھ پر 28 مئی 1908ء کو ہی بیعت کی۔ البتہ خلافت ثانیہ کے آغاز پر چند ماہ کے توقف کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ہاتھ پر 30 دسمبر 1914ء کو قادیان جلسہ سالانہ کے موقع پر بیعت کی۔ کئی سال تک آپ امیر جماعت احمدیہ صوبہ سرحد بھی رہے۔

تصنیفات: یکصد کے قریب کتب ورسائل تحریر فرمائے۔ ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:

آثار قیامت، آنے والا مسیح آ گیا، آہ نادر شاہ سہ شو، آیت خاتم النبیین و تفسیر سلف صالحین، ابلاغ حق، احسن الحدیث، احمد جری اللہ علیہ السلام، احمد علیہ السلام مدار نجات، احمد علیہ السلام مدعی نبوت، احمد موعود علیہ السلام، احمدیت اور افغانستان وغیرہ۔

تعارف کتاب:

یہ کتاب پشاور میں قائم ایک انجمن ''انجمن اشاعت اسلام پشاور'' کی طرف سے آٹھ صفحات کے شائع شدہ رسالہ کا جواب ہے۔ اس رسالے کا نام تھا''مرزا کی پُر عشرت زندگی'' جس کے جواب میں یہ 16 صفحات کا رسالہ لکھا گیا۔ اس کے مندرجات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں کیا کیا اعتراضات ہوں گے۔ کل 13 اعتراضات کے جواب ہیں۔ اعتراضات تھے کہ مرزا صاحب نے لاہور سے مُشک خریدا، حکیم محمد حسین قریشی صاحب نے مفرّح عنبری تحفہ کیوں پیش کیا اور آپؑ نے استعمال کیوں کیا، زلزلہ کی خبر پا کر پختہ مکان کو کیوں ترک کیا اور کیوں خیمہ میں قیام کیا، عمدہ بستر کا تحفہ قبول کیوں کیا اور اسے استعمال کیوں کیا، ایک روپیہ کا پان اور انگریزی کموڈ کیوں خریدا، کابلی پوستین خریدنے کی کیوں خواہش کی، پانی گرم کرنے کے واسطے تانبے کا حمام کیوں خریدا گیا، کلاک یعنی گھڑی مبلغ 9 روپے کی کیوں خریدی گئی، حضرت ام المؤمنین نے لاہور میں عمدہ پارچات کیوں خریدے، حضرت سیدہ مبارکہ بیگم صاحبہؓ کے لئے ریشمی قمیض قیمتی 6 روپے کیوں خریدی گئی، اہلبیت کے لئے طلائی زیورات کیوں خریدے گئے، لاہور سے پلومر کی دوکان سے ٹانک وائن کیوں خریدا گیا، حضرت محمد ﷺ نے تو ساری عمر نہایت تنگدستی میں گزاری...... ان سب اعتراضات کے جواب جامع اور مختصر انداز میں دیئے گئے ہیں۔ بھلا ہو اعتراض کرنے والے کا بھی کہ اس نے تو اعتراض کی نگاہ سے دیکھا لیکن ''عین الرضا'' رکھنے والوں کے لئے اس مبارک اور مقدس جوڑے کی سوانح اور رہن سہن کے متعلق کچھ اور نور کی جھلکیاں سامنے آ گئیں۔

24: ظہور الحق یا ظہور احمد موعود

مصنفہ: حضرت قاضی محمد یوسف فاروقی صاحبؓ، امیر جماعت احمدیہ سرحد

صفحات: 160 مطبوعہ: اردو پریس لاہور

طابع: حکیم عبد اللطیف شاہد 11 جون 1958ء

تعارف کتاب:

قاضی محمد یوسف صاحب نے 30 جنوری 1955ء کو یہ کتاب تحریر فرمائی۔ جس کے آغاز میں انہوں نے لکھا ہے:

"اس تحریر میں خاکسار نے سیدنا حضرت احمد علیہ السلام کے جو واقعات بچشم خود دیکھے یا اپنے کانوں سے سنے ہیں ان کا ذکر خاکسار نے اپنے علم اور فہم اور اپنے الفاظ میں کیا ہے...... میں جنوری 1902ء لغایت مئی 1908ء کے واقعات جنوری 1955ء میں قید تحریر میں لا رہا ہوں۔"

کتاب کے آغاز اور اختتام پر مصنف نے اپنے ذاتی خاندانی حالات تحریر کئے ہیں۔ جس کے مطابق 15 جنوری 1902ء کو ایک پیسے کا کارڈ لکھ کر تحریری بیعت کی۔ ایک جگہ ایک بزرگ حضرت میرزا محمد اسماعیل قندہاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: مصنف براہین احمدیہ کا طرز کلام انبیائے بنی اسرائیل کا سا ہے۔ [ص:23] مصنف نے انہیں کا ایک کشف لکھا ہے جس میں انہوں نے حضرت اقدسؑ سے مصافحہ کیا اور وہ اسی کو بیعت قرار دیتے ہوئے ظاہری بیعت سے رُکے رہے تا آنکہ مصنف نے قائل کیا کہ آپ کو بیعت بھی کرنی چاہیے۔ جس پر انہوں نے 1912ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی بیعت کی اور 1913ء میں وفات پائی۔ مصنف نے قادیان کا پہلا سفر اور حضرت اقدس کی زیارت دسمبر 1902ء میں کی۔ بٹالہ سے قادیان کے سفر کے دوران سری گوبند پور جانے والا ایک پنڈت جو ان کے ہمراہ ہو گیا اس نے حضرت اقدسؑ کے متعلق کہا کہ وہ بڑے بھگت ہیں۔ صفحہ 32 پر حضورؑ کا حلیہ مبارک اور لباس اور سیر کے متعلق تفصیلات بیان کی ہیں۔ سیر کے دوران بھیرے کی بنی ہوئی بید کی سوٹی ہوتی جسکے قبضہ پر انگریزی حروف میں میرزا غلام احمد مسیح موعود لکھا ہوا تھا۔ ہاتھ میں چاندی کی انگشتری ہوتی جس کا نگینہ سرخ عقیق کا تھا۔ اور اس پر اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ[1] کا الہام کندہ تھا۔ 1904ء کے سفر گورداسپور کے حالات میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت صاحب کی رہائش کے واسطے گورداسپور میں ایک آریہ کا مکان کرایہ پر لیا گیا۔ کبھی باعیال، کبھی تنہا حضرت صاحب وہاں رہتے۔ اس مکان کا رخ یعنی دروازہ شمال کو تھا جس کے سامنے بڑا میدان تھا۔ اس کے مشرق میں ایک کمرہ تھا جس میں حضرت احمد رہائش رکھتے تھے۔ اس کے جنوب میں دالان تھا۔ جس میں جنوب کو ایک جگہ تھی جس میں کارکن لنگر غلام رسول امرتسری کا قیام تھا جو ایک معمر انسان تھا۔ صفحہ 47 پر حضورؑ کے کھانے کا بیان ہے۔ گورداسپور کے قیام کے دوران ایک تاریخی واقعہ بھی بیان کرتے ہیں۔

1۔ ترجمہ: کیا اللہ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں؟

"ایک دن جب عدالت سے سویرے فرصت ہوئی اور ہم سب لوگ عدالت سے رہائش گاہ میں پہنچے تو حضرت احمدؑ نے فرمایا کہ نماز کا بندوبست کرو۔ خاکسار نے پیچھے چادریں بچھادیں اور آگے حضرت صاحب کے واسطے ایک چارپائی کی پاک دری بچھائی۔ اور حضرت احمد امام الصلوٰۃ ہوئے اور ہم نے جو قریباً بیس افراد تھے۔ نماز ظہر و عصر ان کی اقتدا میں ادا کی۔" [ص50-49]

اسی طرح انہیں دنوں دہلی سے شائع ہونے والا ایک رسالہ "المنصور" جو ایک احمدی دوست محمد اسماعیل صاحب دہلوی شائع کرتے تھے اس میں حضرت اقدسؑ کی تصویر بھی شائع ہوئی۔ یہ رسالہ حضورؑ نے مطالعہ فرمانے کے بعد محترم مصنف کو دے دیا۔ اور بھی بہت سے سیرت اور شمائل اور تاریخی واقعات اس میں درج ہیں۔

25: ذکرِ حبیبؑ

مصنفہ: حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ   کل صفحات: 438

تاریخ اشاعت: دسمبر 1936ء   ناشر: مینیجر بک ڈپو تالیف واشاعت قادیان

سوانحی تعارف:

(پیدائش: 13 جنوری 1872ء بروز جمعرات بھیرہ، وفات: 13 جنوری 1957ء)

والد کا نام مفتی عنایت اللہ صاحب اور والدہ محترمہ کا نام حضرت فیض بی بی صاحبہ تھا۔ آپ کی والدہ صاحبہ نے 1896ء یا 1897ء میں قادیان آکر حضرت اقدس مسیحِ موعودؑ کی بیعت کی۔ جموں ہائی سکول میں بطور مدرس، اور 1890ء میں قادیان کے لئے پہلا سفر کیا اور بیعت کی۔ 1895ء میں آپ نے ایف اے کا امتحان پرائیویٹ طور پر جموں سے ہی پاس کیا۔ اور 1901ء تک سرکاری طور پر مختلف کام سرانجام دیتے رہے۔ 1901ء میں آپ حضورؑ کی منشاء کے مطابق قادیان آگئے اور تعلیم الاسلام ہائی سکول میں بطور سیکنڈ ہیڈ ماسٹر اور بعد میں 1905ء تک بطور ہیڈ ماسٹر کام کرتے رہے۔ مارچ 1905ء میں اخبار "البدر" کے ایڈیٹر مقرر ہوگئے۔ آپ نے حضورؑ کے ارشاد کے مطابق عبرانی زبان بھی سیکھی۔ حضرت مولوی عبد الکریم صاحبؓ کی وفات کے بعد حضور اقدسؑ کی ڈاک کا کام آپ کے سپرد ہو گیا۔ انگلستان اور امریکہ میں بطور مبلغ متعین رہے۔ 1926ء میں آپ ناظر امور عامہ وخارجہ کے عہدہ پر دس سال تک فائز رہے۔ 1935ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کو پرائیویٹ سیکرٹری کے عہدہ پر متعین فرمایا۔ 85 سال کی عمر میں 13 جنوری 1957ء میں آپؓ نے وفات پائی۔ آپؓ کی وفات پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے باوجود بیماری کے بعد از نمازِ عصر مسجد مبارک میں آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اور جنازے کو کندھا دیا۔ اپنے

دستِ مبارک سے مٹی ڈالی اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں تدفین کے بعد دعا کروائی۔

تعارف کتاب:

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوانح اور سیرت کے بنیادی ماخذ کے طور پر اس کتاب کو دیکھا جا سکتا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؓ ابتدائی صحابہؓ میں سے تھے اور ان صحابہؓ میں شامل ہوتے تھے جن کو حضرت اقدسؑ سے قربت و محبت کا ایک خاص مقام حاصل تھا۔

کتاب کے آغاز میں ایک دعا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام "نجیب" بھی مذکور ہے۔ مصنف حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ: "اللہ تعالیٰ کی یہ صفت مجھے الہاماً بتلائی گئی تھی۔ صادق"

اسی طرح کتاب کے شروع میں ہی حضرت اقدس علیہ السلام کا ایک فوٹو مبارک ہے جس کے نیچے اس کی تفصیل اس طرح درج ہے:

"صادق اپنے مرشد کے قدموں میں۔ غالباً سن 1902ء میں ایک گروپ فوٹو بڑی مسجد میں لیا گیا تھا۔ جس میں راقم مؤلف نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں جگہ پائی۔ اس گروپ فوٹو میں کچھ احباب کرسیوں پر تھے، کچھ فرش پر اور کچھ پیچھے کھڑے تھے۔ فوٹو لینے والے ڈاکٹر نور محمد صاحب لاہوری تھے۔ میں نے فوٹو گرافر کو کہہ کر بعد میں اتنا حصہ اس فوٹو سے الگ کروا لیا تھا۔"

اسی طرح کتاب میں صفحہ 64 پر ڈگلس اور پیلاطوس کی تصویر ہے، صفحہ 76 سے آگے حضرت اقدسؑ کی ایک اور فوٹو ہے، یہ وہ تصویر ہے جو آج کل بھی عموماً شائع ہوتی ہے۔

صفحہ 104 پر مسٹر جارج سپیرو Sparrow کی تصویر ہے، اس کے ساتھ لکھا ہے:

"انگلستان میں پہلا انگریز جو سال 1917ء میں مؤلف کتاب ہذا کی تبلیغ سے مسلمان ہوا۔ حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی کے پورا کرنے میں اس کا نام بھی سپیرو یعنی چڑیا پرندہ تھا۔"

صفحہ 120 پر گھوڑا گاڑی کی تصویر ہے جس کے ساتھ یہ لکھا ہوا ہے کہ "اس میں حضرت صاحب وصال سے چند روز قبل شام کے قریب ہوا خوری کے واسطے جایا کرتے تھے۔" صفحہ 136 پر اس بیل گاڑی کی تصویر ہے جو حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ مالیر کوٹلہ سے قادیان لائے تھے اور حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام اس میں سوار ہو کر کئی مرتبہ قادیان سے گورداسپور تشریف لے گئے تھے۔ اسی طرح بعض اور نایاب تصاویر میں ایک منبر کی تصویر ہے جس پر حضرت اقدسؑ کے زمانہ میں خطیب خطبہ وغیرہ پڑھا کرتا تھا۔ (یہ منبر......... نے قادیان میں

ڈھونڈ نکالا، خاکسار ان کے ساتھ تھا اور اس وقت محترم ومکرم مولانا محمد انعام غوری صاحب جو کہ آج کل ناظر اعلیٰ وامیر مقامی قادیان ہیں تب وہ ناظر اصلاح وارشاد تھے۔ یہ منبر مسجد اقصیٰ میں منارہ کے سامنے والے ایک کمرے میں بہت سے سامان کے ساتھ نیچے تھا۔ اس کو باہر نکالا گیا اور محترم مولانا صاحب سے درخواست کی گئی کہ اس کی مرمت وغیرہ کروائی جائے۔ اس منبر کی تصویر عین مین وہی تھی جو حضرت مفتی صاحبؓ نے اس کتاب میں دی ہے۔ ایاز) اسی طرح اور بہت سے نایاب تاریخی واقعات سلسلہ کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔

ایک لمبے عرصہ کے بعد مجلس انصار اللہ پاکستان نے یہ کتاب شائع کی ہے۔ اس نئے ایڈیشن کے کل صفحات 356 ہیں اور اس کتاب کے 23 ابواب ہیں۔ اس کے ناشر عبد المنان کوثر، پرنٹر طاہر مہدی امتیاز احمد وڑائچ ہیں۔ مطبع ضیاء الاسلام پریس ربوہ ہے۔

البتہ اس نئے شائع شدہ ایڈیشن میں کوئی تصویر شامل نہیں جبکہ اس کا سب سے پہلا ایڈیشن [جو کہ خاکسار کے پاس بھی موجود ہے] اس میں بہت سی نایاب تصاویر بھی شامل ہیں۔

(جاری ہے۔۔۔)

ہستی باری تعالیٰ کا ایک ناقابل تردید ثبوت
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قبولیت دعا

ابو محسن عبداللہ

انسانی علم کی دنیا میں تجربہ کو ہمیشہ غیر معمولی اہمیت حاصل رہی ہے۔ سائنس کی کسی بھی شاخ کو دیکھ لیجیے، ہر بڑی دریافت کے پیچھے تجربات کی ایک طویل تاریخ موجود ہوتی ہے۔ عام طور پر تحقیق کا سفر ایک مفروضہ (Hypothesis) سے شروع ہوتا ہے۔ عقل اور مشاہدہ انسان کو ایک خیال دیتے ہیں کہ شاید حقیقت ایسی ہو۔ اس کے بعد مسلسل تحقیق اور غور و فکر سے وہ مفروضہ ایک نظریہ (Theory) کی صورت اختیار کرتا ہے۔ لیکن کسی نظریہ کو حقیقی قوت اور استحکام تب حاصل ہوتا ہے جب تجربات بار بار اس کی تصدیق کریں۔ بالآخر یہی تجربات اسے ایک قانون (Law) کی شکل دے دیتے ہیں جسے دنیا ماننے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

عقل انسان کو سوچنے، اندازہ لگانے اور نظریات قائم کرنے میں مدد ضرور دیتی ہے، مگر محض عقل کسی حقیقت کو یقینی نہیں بنا سکتی۔ یقین کی منزل تک پہنچانے والی چیز تجربہ ہے۔ اور ایسا تجربہ جس کے صرف ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں گواہ ہوں۔ جب کوئی حقیقت بار بار آزمائش کی کسوٹی پر پوری اترتی ہے تو وہ محض خیال نہیں رہتی بلکہ ایک ثابت شدہ حقیقت بن جاتی ہے۔

انسانی تاریخ میں بھی یہی اصول کار فرما رہا ہے۔ جب انسان محض عقلی قیاس آرائیوں میں الجھ کر اصل حقیقت سے دور ہونے لگتا ہے اور خدا تعالیٰ کے وجود کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہونے لگتے ہیں، تو خدائے رحمان اپنی رحمت سے انسانیت کو تنہا نہیں چھوڑتا۔ وہ اپنے برگزیدہ انبیاء اور مامورین کو مبعوث فرماتا ہے جو محض فلسفیانہ دلائل ہی پیش نہیں کرتے بلکہ خدا تعالیٰ کے زندہ وجود کا عملی ثبوت دکھاتے ہیں۔ ان کی دعاؤں کی قبولیت، ان کے ذریعہ ظاہر ہونے والے نشانات اور خدا تعالیٰ کی زندہ تائیدات ایسے تجربات بن جاتے ہیں جن کے بے شمار گواہ پیدا ہو جاتے ہیں۔

یوں انسانیت کو پھر سے یہ یقین نصیب ہوتا ہے کہ خدا کوئی دور کا تصور نہیں بلکہ ایک زندہ اور سننے والا خدا ہے جو اپنے بندوں کی پکار سنتا اور ان کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعودؑ فرماتے ہیں: ”کہ دہریہ پن کو اگر کوئی شے جلا سکتی ہے تو وہ صرف انبیاء کا وجود ہے ورنہ عقلی دلائل سے وہاں کچھ نہیں بنتا۔ کیونکہ عقل کی حد سے تو پیشتر ہی گزر کر وہ دہریہ بنتا ہے۔ پھر عقل کی پیش اس کے آگے کب چلتی ہے۔“ (ملفوظات جلد 7 صفحہ 87، ایڈیشن 2022ء)

پھر آپ فرماتے ہیں:

”یاد رہے کہ انسان اس خدائے غیب الغیب کو ہرگز اپنی قوت سے شناخت نہیں کر سکتا جب تک وہ خود اپنے تئیں اپنے نشانوں سے شناخت نہ کراوے اور خدا تعالیٰ سے سچا تعلق ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا جب تک وہ تعلق خاص خدا تعالیٰ کے ذریعہ سے پیدا نہ ہو اور نفسانی آلائشیں ہرگز نفس میں سے نکل نہیں سکتیں جب تک خدائے قادر کی طرف سے ایک روشنی دل میں داخل نہ ہو اور دیکھو کہ مَیں اس شہادت رویت کو پیش کرتا ہوں کہ وہ تعلق محض قرآن کریم کی پیروی سے حاصل ہوتا ہے دوسری کتابوں میں اب کوئی زندگی کی روح نہیں اور آسمان کے نیچے صرف ایک ہی کتاب ہے جو اس محبوب حقیقی کا چہرہ دکھلاتی ہے یعنی قرآن شریف۔ اور میرے پر جو میری قوم طرح طرح کے اعتراض پیش کرتی ہے مجھے ان کے اعتراضوں کی کچھ بھی پروا نہیں اور سخت بے ایمانی ہوگی اگر مَیں ان سے ڈر کر سچائی کی راہ کو چھوڑ دوں۔ اور خود اُن کو سوچنا چاہیئے کہ ایک شخص کو خدا نے اپنی طرف سے بصیرت عنایت فرمائی ہے اور آپ اُس کو راہ دکھلا دی ہے اور اُس کو اپنے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف فرمایا ہے اور ہزارہا نشان اس کی تصدیق کیلئے دکھلائے ہیں کیونکر ایک مخالف کی ظنیات کو کچھ چیز سمجھ کر اُس آفتاب صداقت سے مُنہ پھیر سکتا ہے۔“ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 2)

پھر آپؑ فرماتے ہیں:

”خدا کی ذات غیب الغیب اور وراء الوراء اور نہایت مخفی واقع ہوئی ہے جس کو عقول انسانیہ محض اپنی طاقت سے دریافت نہیں کر سکتیں اور کوئی برہان عقلی اس کے وجود پر قطعی دلیل نہیں ہو سکتی کیونکہ عقل کی دوڑ اور سعی صرف اِس حد تک ہے کہ اس عالم کی صنعتوں پر نظر کر کے صانع کی ضرورت محسوس کرے مگر ضرورت کا محسوس کرنا اور شئے ہے اور اس درجہ عین الیقین تک پہنچنا کہ جس خدا کی ضرورت تسلیم کی گئی ہے وہ درحقیقت موجود بھی ہے یہ اور بات ہے۔ اور چونکہ عقل کا طریق ناقص اور ناتمام اور مشتبہ ہے اسلئے ہر ایک فلسفی محض عقل کے ذریعہ سے خدا کو شناخت نہیں کر سکتا بلکہ اکثر ایسے لوگ جو محض عقل کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کا پتہ لگانا چاہتے ہیں آخر کار دہریہ بن جاتے ہیں۔ اور مصنوعات زمین و آسمان پر غور کرنا کچھ بھی اُن کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اور خدا تعالیٰ کے کاملوں پر ٹھٹھا اور ہنسی کرتے ہیں اور اُن کی یہ حجت ہے کہ دنیا میں ہزارہا ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جن

کے وجود کا ہم کوئی فائدہ نہیں دیکھتے اور جن میں ہماری عقلی تحقیق سے کوئی ایسی صنعت ثابت نہیں ہوتی جو صانع پر دلالت کرے بلکہ محض لغو اور باطل طور پر اُن چیزوں کا وجود پایا جاتا ہے۔ افسوس وہ نادان نہیں جانتے کہ عدم علم سے عدم شے لازم نہیں آتا۔ اِس قسم کے لوگ کئی لاکھ اِس زمانہ میں پائے جاتے ہیں جو اپنے تئیں اول درجہ کے عقلمند اور فلسفی سمجھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے وجود سے سخت منکر ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر کوئی عقلی دلیل زبردست اُن کو ملتی تو وہ خدا تعالیٰ کے وجود کا انکار نہ کرتے۔ اور اگر وجود باری جلّ شانہٗ پر کوئی بُرہان یقینی عقلی اُنکو ملزم کرتی تو وہ سخت بے حیائی اور ٹھٹھے اور ہنسی کے ساتھ خدا تعالیٰ کے وجود سے منکر نہ ہو جاتے۔ پس کوئی شخص فلسفیوں کی کشتی پر بیٹھ کر طوفان شبہات سے نجات نہیں پا سکتا بلکہ ضرور غرق ہو گا اور ہرگز ہرگز شربت توحید خالص اُس کو میسر نہیں آئے گا۔ اب سوچو کہ یہ خیال کس قدر باطل اور بدبودار ہے کہ بغیر وسیلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے توحید میسر آسکتی ہے اور اس سے انسان نجات پا سکتا ہے۔ اے نادانو! جب تک خدا کی ہستی پر یقین کامل نہ ہو اُس کی توحید پر کیونکر یقین ہو سکے۔ پس یقیناً سمجھو کہ توحید یقینی محض نبی کے ذریعہ سے ہی مل سکتی ہے جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے دہریوں اور بد مذہبوں کو ہزارہا آسمانی نشان دکھلا کر خدا تعالیٰ کے وجود کا قائل کر دیا اور اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور کامل پیروی کرنے والے اُن نشانوں کو دہریوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ بات یہی سچ ہے کہ جب تک زندہ خدا کی زندہ طاقتیں انسان مشاہدہ نہیں کرتا شیطان اُس کے دل میں سے نہیں نکلتا اور نہ سچی توحید اُس کے دل میں داخل ہوتی ہے اور نہ یقینی طور پر خدا کی ہستی کا قائل ہو سکتا ہے۔ اور یہ پاک اور کامل توحید صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ملتی ہے۔ اور وہ زبردست نشان جو نبی کے ذریعہ سے ظاہر ہوتے ہیں جیسا کہ وہ خدا تعالیٰ کی ہستی اور وحدانیت کو ثابت کرتے ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ کی صفات جمالی اور جلالی کو اکمل اور اتم طور پر ثابت کر کے اُس کی عظمت اور محبت دلوں میں بٹھاتے ہیں اور جب ان نشانوں سے جن کی جڑھ زبردست اور اقتداری پیشگوئیاں ہیں خدا تعالیٰ کی ہستی اور وحدانیت اور اس کے صفات جمالیہ اور جلالیہ پر یقین آجاتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کو اُس کی ذات اور جمیع صفات میں واحد لاشریک جانتا ہے اور اُس کی خوبیوں اور روحانی حسن و جمال پر نظر ڈال کر اُس کی محبت میں کھویا جاتا ہے اور پھر اُس کی عظمت اور جلال اور بے نیازی پر نظر ڈال کر اُس سے ڈرتا رہتا ہے اور اس طرح پر وہ دن بدن خدا تعالیٰ کی طرف کھنچا جاتا ہے یہاں تک کہ تمام سفلی تعلقات توڑ کر رُوح محض رہ جاتا ہے اور تمام صحنِ سینہ اُس کا محبت الٰہی سے بھر جاتا ہے اور خدا کے وجود کے مشاہدہ سے اُس کے وجود پر ایک موت وارد ہو جاتی ہے اور وہ موت کے بعد ایک نئی زندگی پاتا ہے۔" (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 121،122)

پس اسی طرح اس زمانہ میں بھی بے شمار لوگ — جن کی تعداد لاکھوں بلکہ کروڑوں تک پہنچتی ہے — ایسے گزرے ہیں جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر خدا تعالیٰ کے زندہ وجود کا مشاہدہ کیا۔ کسی نے اخبارات اور رسائل میں آپ کی پیشگوئیاں پڑھیں اور پھر اپنی آنکھوں سے ان کا حیرت انگیز طور پر پورا ہونا دیکھا۔ کسی نے آپ کی دعاؤں کی قبولیت کے ایسے عظیم الشان اور محیر العقول نشانات دیکھے کہ ان کا دل اس حقیقت کے آگے جھک گیا کہ ایک زندہ خدا ہے جو اپنے بندوں کی سنتا اور ان کی مدد کرتا ہے۔ بہت سے ایسے بھی تھے جنہوں نے آپ کی صحبت میں رہ کر، آپ کے الفاظ اور دعاؤں کی تاثیر کو قریب سے دیکھ کر اس یقین کو حاصل کیا کہ خدا تعالیٰ نہ صرف موجود ہے بلکہ وہ اپنے برگزیدہ بندوں کے ساتھ خاص تعلق رکھتا ہے اور ان کی تائید ونصرت کے لیے غیر معمولی نشان ظاہر فرماتا ہے۔

یہ واقعات صرف چند افراد تک محدود نہیں رہے بلکہ ایک وسیع انسانی حلقہ ان کا گواہ بنا۔ ہزاروں آنکھوں نے ان نشانات کو دیکھا، ہزاروں دلوں نے ان سے اثر قبول کیا اور لاکھوں زبانوں نے اس بات کی شہادت دی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے اپنی ہستی کو ایک بار پھر روشن اور واضح کر دیا۔

اور یہ سلسلہ آپ کی ظاہری زندگی تک ہی محدود نہیں رہا۔ آپ کی وفات کے بعد بھی خدا تعالیٰ کی قدرت کا یہ زندہ مظہر رکا نہیں بلکہ اس کی دوسری عظیم تجلی یعنی قدرت ثانیہ (خلافت احمدیہ) کے ذریعہ اپنا جلوہ دکھا رہا ہے۔ زیر نظر مضمون میں ہم ایسے ہی کچھ واقعات دیکھیں گے۔ اور ان لوگوں کی گواہیوں کو پڑھیں گے جنہوں نے خدا تعالیٰ کی ہستی کا ہونا اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں:

”کابل سے آئی ہوئی ایک غریب مہاجر احمدی عورت کا بھی ذکر سن لو جس نے غیر معمولی حالات میں حضرت مسیح موعودؑ کے دمِ عیسوی سے شفا پائی۔ مسماۃ امۃ اللہ بی بی سکنہ علاقہ خوست مملکت کابل نے مجھ سے بیان کیا کہ جب وہ شروع شروع میں اپنے والد اور چچا سید صاحب نور اور سید احمد نور کے ساتھ قادیان آئی تو اس وقت اس کی عمر بہت چھوٹی تھی اور اس کے والدین اور چچا چچی حضرت سید عبد اللطیف صاحب شہیدؓ کی شہادت کے بعد قادیان چلے آئے تھے۔ مسماۃ امۃ اللہ کو بچپن میں آشوبِ چشم کی سخت شکایت ہو جاتی تھی اور آنکھوں کی تکلیف اس قدر بڑھ جاتی تھی کہ انتہائی درد اور سرخی کی شدت کی وجہ سے وہ آنکھ کھولنے تک کی طاقت نہیں رکھتی تھی۔ اس کے والدین نے اس کا بہت علاج کرایا مگر کچھ افاقہ نہ ہوا اور تکلیف بڑھتی گئی۔ ایک دن جب اس کی والدہ اسے پکڑ کر اس کی آنکھوں میں دوائی ڈالنے لگی تو وہ ڈر کر یہ کہتے ہوئے بھاگ گئی کہ میں تو حضرت صاحب

سے دم کراؤں گی۔ چنانچہ وہ بیان کرتی ہے کہ میں گرتی پڑتی حضرت مسیح موعودؑ کے گھر پہنچ گئی اور حضور کے سامنے جاکر روتے ہوئے عرض کیا کہ میری آنکھوں میں سخت تکلیف ہے اور درد اور سرخی کی شدت کی وجہ سے میں بہت بے چین رہتی ہوں اور اپنی آنکھیں تک کھول نہیں سکتی۔ آپ میری آنکھوں پر دم کر دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیکھا تو میری آنکھیں واقعی خطرناک طور پر ابلی ہوئی تھیں اور میں درد سے بے چین ہو کر کراہ رہی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی انگلی پر اپنا تھوڑا سا لعاب دہن لگایا اور ایک لمحہ کے لئے رک کر (جس میں شاید حضور دل میں دعا فرما رہے ہوں گے) بڑی شفقت اور محبت کے ساتھ اپنی یہ انگلی میری آنکھوں پر آہستہ آہستہ پھیر دی اور پھر میرے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ”بچی جاؤ اب خدا کے فضل سے تمہیں یہ تکلیف پھر کبھی نہیں ہوگی۔“

مسماۃ امۃ اللہ بیان کرتی ہے کہ اس کے بعد آج تک جبکہ میں ستر سال کی بوڑھی ہو چکی ہوں کبھی ایک دفعہ بھی میری آنکھیں دُکھنے نہیں آئیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دم کی برکت سے میں اس تکلیف سے ہمیشہ بالکل محفوظ رہی ہوں حالانکہ اس سے پہلے میری آنکھیں اکثر دُکھتی رہتی تھیں اور میں بہت تکلیف اٹھاتی تھی۔ وہ بیان کرتی ہے کہ جب حضرت مسیح موعودؑ نے اپنا لعاب دہن لگا کر میری آنکھوں پر دم کرتے ہوئے اپنی انگلی پھیری تو اس وقت میری عمر صرف دس سال کی تھی۔ گویا ساٹھ سال کے طویل عرصہ میں حضرت مسیح موعود کے اس روحانی تعویذ نے وہ کام کیا جو اس وقت تک کوئی دوائی نہیں کر سکی تھی۔

(سیرتِ طیبہ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ 283،284)

پھر اسی طرح بیماری سے شفا کا ایک اور واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں:

”میر محمد اسحٰق صاحبؓ کے بچپن کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ وہ سخت بیمار ہو گئے اور حالت بہت تشویشناک ہو گئی اور ڈاکٹروں نے مایوسی کا اظہار کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کے متعلق دعا فرمائی تو عین دعا کرتے ہوئے خدا کی طرف سے الہام ہوا کہ:۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (بدر 11 مئی و الحکم 17 مئی 1905ء) یعنی تیری دعا قبول ہوئی اور خدائے رحیم و کریم اس بچے کے متعلق تجھے سلامتی کی بشارت دیتا ہے۔ چنانچہ اس کے جلد بعد حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ بالکل توقع کے خلاف صحت یاب ہو گئے اور خدا نے اپنے مسیح کے دم سے انہیں شفا عطا فرمائی۔“

(سیرتِ طیبہ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ 286،287)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"چوالیسواں نشان یہ ہے کہ سردار نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ کا لڑکا عبد الرحیم خاں ایک شدید محرقہ تپ کی بیماری سے بیمار ہو گیا تھا اور کوئی صورت جان بری کی دکھائی نہیں دیتی تھی گویا مُردہ کے حکم میں تھا۔ اس وقت میں نے اس کے لئے دعا کی تو معلوم ہوا کہ تقدیر مبرم کی طرح ہے تب میں نے جناب الٰہی میں عرض کی کہ یا الٰہی میں اس کے لئے شفاعت کرتا ہوں۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ نے فرمایا مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ یعنی کس کی مجال ہے کہ بغیر اذن الٰہی کے کسی کی شفاعت کر سکے۔ تب میں خاموش ہو گیا۔ بعد اس کے بغیر توقف کے یہ الہام ہوا اِنَّکَ اَنۡتَ الۡمَجَاز یعنی تجھے شفاعت کرنے کی اجازت دی گئی۔ تب میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے دعا کرنی شروع کی تو خدا تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی اور لڑکا گویا قبر میں سے نکل کر باہر آیا اور آثار صحت ظاہر ہوئے اور اس قدر لاغر ہو گیا تھا کہ مدت دراز کے بعد وہ اپنے اصلی بدن پر آیا اور تندرست ہو گیا اور زندہ موجود ہے۔" (حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22۔ صفحہ 229-230)

پھر آپ ایک اور عظیم الشان نشان کا ذکر کرتے ہیں اور یہ نشان بھی ایسا تھا کہ ہزاروں لوگوں نے اس نشان کو دیکھا۔ آپؑ فرماتے ہیں:

"پینتالیسواں نشان یہ ہے کہ میرے مخلص دوست مولوی نور دین صاحب کا ایک لڑکا فوت ہو گیا تھا اور وہی ایک لڑکا تھا اُس کے فوت ہونے پر بعض نادان دشمنوں نے بہت خوشی ظاہر کی اِس خیال سے کہ مولوی صاحب لاولد رہ گئے تب میں نے اُن کے لئے بہت دعا کی اور دعا کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھے یہ اطلاع ملی کہ تمہاری دعا سے ایک لڑکا پیدا ہو گا اور اِس بات کا نشان کہ وہ محض دعا کے ذریعہ سے پیدا کیا گیا ہے یہ بتایا گیا کہ اُس کے بدن پر بہت سے پھوڑے نکل آئیں گے۔ چنانچہ وہ لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبد الحیّ رکھا گیا اور اُس کے بدن پر غیر معمولی پھوڑے بہت سے نکلے جن کے داغ اب تک موجود ہیں۔ اور یہ پھوڑوں کا نشان لڑکے کے پیدا ہونے سے پہلے بذریعہ اشتہار شائع کیا گیا تھا۔" (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 230)

پھر اپنی ذات کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کے عجیب محبت بھرے نشان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"5 اگست 1906 کو ایک دفعہ نصف حصہ اَسفل بدن کا میرا بے حس ہو گیا اور ایک قدم چلنے کی طاقت نہ رہی اور چونکہ میں نے یونانی طبابت کی کتابیں سبقاً سبقاً پڑھی تھیں اس لئے مجھے خیال گزرا کہ یہ فالج کی علامات ہیں ساتھ ہی سخت درد تھی۔ دل میں گھبراہٹ تھی کہ کروٹ بدلنا مشکل تھا۔ رات کو جب میں بہت تکلیف میں تھا تو مجھے شماتت اعداء کا خیال آیا۔ مگر محض دین کے لئے نہ کسی اور امر کے لئے۔ تب میں نے جناب الٰہی میں دعا کی

کہ موت تو ایک امر ضروری ہے مگر تُو جانتا ہے کہ ایسی موت اور بے وقت موت میں شماتت اعداء ہے۔ تب مجھے تھوڑی سی غنودگی کے ساتھ الہام ہوا "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْزِي الْمُؤْمِنِيْنَ" یعنی خدا ہر چیز پر قادر ہے اور خدا مومنوں کو رسوا نہیں کیا کرتا۔ پس اسی خدائے کریم کی مجھے قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اور جو اس وقت بھی دیکھ رہا ہے کہ میں اس پر افتراء کرتا ہوں یا سچ بولتا ہوں کہ اس الہام کے ساتھ ہی شاید آدھ گھنٹہ تک مجھے نیند آگئی اور پھر یک دفعہ جب آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ مرض کا نام و نشان نہیں رہا۔ تمام لوگ سوئے ہوئے تھے اور میں اٹھا اور امتحان کے لئے چلنا شروع کیا تو ثابت ہوا کہ میں بالکل تندرست ہوں۔ تب مجھے اپنے قادر خدا کی قدرت عظیم کو دیکھ کر رونا آیا کہ کیسا قادر ہمارا خدا ہے اور ہم کیسے خوش نصیب ہیں کہ اس کی کلام قرآن شریف پر ایمان لائے اور اسکے رسول کی پیروی کی۔ اور کیا بدنصیب وہ لوگ ہیں جو اس ذوالعجائب خدا پر ایمان نہیں لائے۔" (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 245، 246)

اس طرح کے کئی نشانات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ظاہر ہوئے جہاں آپ کی دعا سے گویا مردہ میں جان پڑ گئی۔ چنانچہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ جو ایک زبردست صاحب قلم صحافی تھے اور ایک دنیا دیکھ رکھی تھی اور اس کی رپورٹنگ بھی کی تھی، ایسے ہی ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک دفعہ 1904 میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب بہت بیمار ہو گئے تھے۔ اور اس بیماری کی حالت میں ایک وقت تنگی اور تکلیف کا ان پر ایسا وارد ہوا۔ کہ ان کی بیوی مرحومہ نے سمجھا کہ ان کا آخری وقت ہے۔ وہ روتی چیختی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں پہنچیں۔ حضورؑ نے تھوڑی سی مشک دی کہ انہیں کھلاؤ۔ اور میں دعا کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اسی وقت وضو کر کے نماز میں کھڑے ہو گئے صبح کا وقت تھا۔ حضرت مفتی صاحب کو مشک کھلائی گئی اور ان کی حالت اچھی ہونے لگ گئی اور تھوڑی دیر میں طبیعت سنبھل گئی۔"

(سیرت حضرت مسیح موعود از شیخ یعقوب علی عرفانی صاحبؓ جلد 5 صفحہ 510)

حضرت منشی زین العابدین صاحبؓ (بیعت 1894ء) بیان کرتے ہیں کہ میری بیوی کو اٹھرا کی بیماری تھی اور اس کے چار لڑکے فوت ہو چکے تھے۔ علاج سے افاقہ نہیں ہوتا تھا۔ میں حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو فرمایا کہ اب تک تم نے اس بارے میں اطلاع کیوں نہ دی۔ تم میاں بیوی تو چار سال تک جہنم میں پڑے رہے۔ مجھے فوراً اطلاع کرنی چاہئے تھی۔ مولوی نورالدین صاحب کا علاج کرو۔ بیماری انشاء اللہ ہٹ جائے گی۔ عرض کی کہ حضور! میں اس قابل نہیں غریب آدمی ہوں۔ مولوی صاحب کا علاج نہیں کر سکتا۔ فرمایا۔ کیا میرا علاج کرنا چاہتے ہو۔ عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا۔ پھر کیا چاہتے ہو۔ عرض کیا کہ حضور دعا فرمائیں۔ حضرت

صاحب دروازہ پر ہی کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا۔ آپ بھی دعا کریں۔ میں بھی دعا کرتا ہوں اور ہاتھ اٹھا کر ظہر کی نماز کے بعد سے عصر کی اذان تک رو رو کر دعا کی۔ آنسو آپ کی داڑھی مبارک سے ٹپک کر گرتے پر پڑتے رہے۔ میں تو تھک کر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا رہا۔ اور دل میں سوچنے لگا کہ کیوں میں نے حضور کو اس قدر تکلیف دی۔ اگر اولاد نہ ہوتی تب بھی کوئی حرج نہیں تھا۔ مگر حضور کو اتنی تکلیف ہر گز نہیں دینی چاہئے تھی۔ حضور نے دعا ختم کی۔ اور فرمایا۔ تمہاری دعا قبول ہو گئی ہے۔ اور اٹھرا کی بیماری دور ہو گئی ہے۔ اس حمل میں لڑکا ہو گا۔ آپ کی بیوی کی شکل اور بچہ کی شکل بھی مجھے دکھائی گئی ہے۔ آپ کوئی فکر نہ کریں۔ پھر فرمایا۔ کیا اب مجھے اندر جانے کی اجازت ہے۔...... پھر فرمایا کہ سب کچھ کھاؤ پیئو۔ اللہ تعالیٰ فضل کرے گا اور اٹھرا کی بیماری ہر گز نہ ہو گی۔ پھر حضور اندر تشریف لے گئے اور فرمایا۔ میں اب وضو کر کے واپس آتا ہوں۔ عصر کا وقت ہو گیا ہے۔ گو میرا وضو ہے۔ مگر میں دوبارہ کر آتا ہوں۔

دو چار سال کے بعد حضور نے دریافت کیا کہ میاں زین العابدین! کیا اولاد ہوئی ہے؟ عرض کی کہ اب تو اولاد ہو رہی ہے۔ اور حضور کی دعا کا نتیجہ ہے۔ فرمایا۔ ہم نے کب دعا کی تھی ہمیں تو یاد نہیں۔ اس پر میں نے یاد دلایا۔ آپ مزید بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے دعا کے بعد اب تک میرا کوئی بچہ فوت نہیں ہوا۔ چار لڑکے اور تین لڑکیاں زندہ موجود ہیں۔(اصحاب احمد جلد 13 صفحہ 94،95)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے ایک ایسے شخص کے بارہ میں جو خود ایک تجربہ کار اور بہت نامور ڈاکٹر تھا لکھتے ہیں۔

”ڈاکٹر سید عبد الستار شاہ صاحبؓ نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ مجھے تین مہینے کی رخصت لیکر معہ اہل و اطفال قادیان میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ ان دنوں میں ایسا اتفاق ہوا کہ والدہ ولی اللہ شاہ کے دانت میں سخت شدت کا درد ہو گیا جس سے ان کو نہ رات کو نیند آتی تھی اور نہ دن کو۔ ڈاکٹری علاج بھی کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ حضرت خلیفہ اولؓ نے بھی دوا دی مگر آرام نہ آیا۔ حضرت ام المومنینؓ نے حضور کی خدمت میں عرض کی کہ ڈاکٹر عبد الستار شاہ صاحبؓ کی بیوی کے دانت میں سخت درد ہے اور آرام نہیں آتا۔ حضرت نے فرمایا کہ ان کو یہاں بلائیں کہ وہ مجھے آکر بتائیں کہ انہیں کہاں تکلیف ہے۔ چنانچہ انہوں نے حاضر ہو کر عرض کی مجھے اس دانت میں سخت تکلیف ہے۔ ڈاکٹری اور مولوی صاحب کی بہت دوائیں استعمال کی ہیں مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ ذرا ٹھہریں۔ چنانچہ حضور نے وضو کیا اور فرمانے لگے کہ میں آپ کیلئے دعا کرتا ہوں آپ کو اللہ تعالیٰ آرام دے گا۔ گھبرائیں نہیں۔ حضور نے دو نفل پڑھے اور وہ خاموش بیٹھی رہیں۔ اتنے میں انہیں

محسوس ہوا کہ جس دانت میں درد ہے اس دانت کے نیچے سے ایک شعلہ قدرے دھوئیں والا دانت کی جڑھ سے نکل کر آسمان کی طرف جارہاہے اور ساتھ ہی درد کم ہو تا جاتا ہے۔ چنانچہ جب وہ شعلہ آسمان تک جا کر نظر سے غائب ہو گیا تو تھوڑی دیر بعد حضور نے سلام پھیرا۔ اور وہ درد فوراً رفع ہو گیا۔ حضور نے فرمایا کیوں جی۔ اب آپ کا کیا حال ہے۔ انہوں نے عرض کی۔ حضور کی دعا سے آرام ہو گیا ہے۔ اور ان کو بڑی خوشی ہوئی کہ خدا نے ان کو اس عذاب سے بچالیا۔" (سیرت المہدی حصہ سوم روایت نمبر 884 صفحہ 262،263)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ کی سمیع و قدیر ہستی کے ثبوت کا ایک ایسا واقعہ بیان فرماتے ہیں جس کی گواہی گورنمنٹ کے ریکارڈ سے بھی مل سکتی ہے۔ یہ ایک ایسی بیماری سے شفا کا واقعہ ہے کہ جس کے بارہ میں World Health Organization کی ویب سائٹ پر آج بھی لکھا ہے کہ:

" Once the virus infects the central nervous system and clinical symptoms appear, rabies is fatal in 100% of cases."

آپؑ فرماتے ہیں:

"پانچواں نشان جو ان دنوں میں ظاہر ہوا وہ ایک دعا کا قبول ہونا ہے جو درحقیقت احیائے موتیٰ میں داخل ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عبد الکریم نام ولد عبد الرحمٰن ساکن حیدر آباد دکھن ہمارے مدرسہ میں ایک لڑکا طالب العلم ہے۔ قضاء قدر سے اس کو سگ دیوانہ کاٹ گیا۔ ہم نے اس کو معالجہ کیلئے کسولی (ہماچل پردیش انڈیا کا ایک شہر جہاں آج بھی Rabies Research Center ایک نہایت نامور ادارہ ہے۔ (مرتب)) بھیج دیا۔ چند روز تک اس کا کسولی میں علاج ہوتا رہا۔ پھر وہ قادیان میں واپس آیا۔ تھوڑے دن گذرنے کے بعد اس میں وہ آثار دیوانگی کے ظاہر ہوئے جو دیوانہ کتے کے کاٹنے کے بعد ظاہر ہوا کرتے ہیں اور پانی سے ڈرنے لگا اور خوفناک حالت پیدا ہو گئی۔ تب اس غریب الوطن عاجز کے لئے میرا دل سخت بیقرار ہوا اور دعا کیلئے ایک خاص توجہ پیدا ہو گئی۔ ہر ایک شخص سمجھتا تھا کہ وہ غریب چند گھنٹہ کے بعد مر جائے گا۔ ناچار اس کو بورڈنگ سے باہر نکال کر ایک الگ مکان میں دوسروں سے علیحدہ ہر ایک احتیاط سے رکھا گیا اور کسولی کے انگریز ڈاکٹروں کی طرف تار بھیج دی اور پوچھا گیا کہ اس حالت میں اس کا کوئی علاج بھی ہے۔ اس طرف سے بذریعہ تار جواب آیا کہ اب اس کا کوئی علاج نہیں مگر اس غریب اور بے وطن لڑکے کے لئے میرے دل میں بہت توجہ پیدا ہو گئی اور میرے دوستوں نے بھی اس کیلئے دعا کرنے کیلئے بہت ہی اصرار کیا کیونکہ اس غربت کی حالت میں وہ لڑکا قابل رحم تھا اور نیز دل میں یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر وہ مر گیا تو ایک بُرے رنگ میں اس کی موت شماتت اعداء کا موجب ہو گی تب میرا دل اس کے لئے سخت

درد اور بیقراری میں مبتلا ہوا اور خارق عادت توجہ پیدا ہوئی جو اپنے اختیار سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ محض خدا تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتی ہے اور اگر پیدا ہو جائے تو خدا تعالیٰ کے اذن سے وہ اثر دکھاتی ہے کہ قریب ہے کہ اس سے مردہ زندہ ہو جائے۔ غرض اس کے لئے اقبال علی اللہ کی حالت میسر آ گئی اور جب وہ توجہ انتہا تک پہنچ گئی اور درد نے اپنا پورا تسلط میرے دل پر کر لیا تب اس بیمار پر جو درحقیقت مردہ تھا اس توجہ کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے اور یا تو وہ پانی سے ڈرتا اور روشنی سے بھاگتا تھا اور یا یکدفعہ طبیعت نے صحت کی طرف رخ کیا اور اس نے کہا کہ اب مجھے پانی سے ڈر نہیں آتا۔ تب اس کو پانی دیا گیا تو اس نے بغیر کسی خوف کے پی لیا بلکہ پانی سے وضو کر کے نماز بھی پڑھ لی ور تمام رات سوتا رہا اور خوفناک اور وحشیانہ حالت جاتی رہی۔ یہاں تک کہ چند روز تک بکلی صحت یاب ہو گیا۔ میرے دل میں فی الفور ڈالا گیا کہ یہ دیوانگی کی حالت جو اس میں پیدا ہو گئی تھی یہ اس لئے نہیں تھی کہ وہ دیوانگی اس کو ہلاک کرے بلکہ اس لئے تھی کہ تا خدا تعالیٰ کا نشان ظاہر ہو۔ اور تجربہ کار لوگ کہتے ہیں کہ کبھی دنیا میں ایسا دیکھنے میں نہیں آیا کہ ایسی حالت میں کہ جب کسی کو دیوانہ کتے نے کاٹا ہو اور دیوانگی کے آثار ظاہر ہو گئے ہوں، پھر کوئی شخص اس حالت سے جانبر ہو سکے اور اس سے زیادہ اس بات کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ جو ماہر اس فن کے کسولی میں گورنمنٹ کی طرف سے سگ گزیدہ کے علاج کے لئے ڈاکٹر مقرر ہیں انہوں نے ہمارے تار کے جواب میں صاف لکھ دیا ہے کہ اب کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔

اس جگہ اس قدر لکھنا رہ گیا کہ جب میں نے اس لڑکے کے لئے دعا کی تو خدا نے میرے دل میں القا کیا کہ فلاں دوا دینی چاہیے۔ چنانچہ میں نے چند دفعہ وہ دوا بیمار کو دی۔ آخر بیمار اچھا ہو گیا یا یوں کہو کہ مردہ زندہ ہو گیا۔ اور جو کسولی کے ڈاکٹروں کی طرف سے ہماری تار کا جواب آیا تھا ہم ذیل میں وہ جواب جو انگریزی میں ہے معہ ترجمہ کے لکھ دیتے ہیں اور وہ یہ ہے:۔

To Station	From Station
Batala	Kasauli
To Person	From Person
Sherali	Pasteur
Kadian	

"Sorry nothing can be done for Abdul Karim"

(انگریزی الفاظ اردو میں)

ٹو سٹیشن۔ بٹالہ — فرام سٹیشن کسولی

ٹو پرسن۔ شیر علی قادیان — فرام پرسن۔ پیسٹیوٗر

سارِی نہ تھنگ کین بی ڈن فار عبدالکریم

(ترجمہ) مقام بٹالہ — از مقام کسولی

بنام شیر علی قادیان — از جانب پیسٹیوٗر

افسوس ہے کہ عبدالکریم کے واسطے کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا

اور دفتر علاج سگ گزیدگان سے ایک مسلمان نے متعجب ہو کر کسولی سے ایک کارڈ بھیجا ہے جس میں لکھا ہے کہ ”سخت افسوس تھا کہ عبدالکریم جس کو دیوانہ کتے نے کاٹا تھا اس کے اثر میں مبتلا ہو گیا۔ مگر اس بات کے سننے سے بڑی خوشی ہوئی کہ وہ دعا کے ذریعہ سے صحت یاب ہو گیا۔ ایسا موقعہ جانبر ہونے کا کبھی نہیں سنا۔ یہ خدا کا فضل اور بزرگوں کی دعا کا اثر ہے۔ الحمدللہ۔ راقم عاجز عبداللہ از کسولی۔“

(تتمہ حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 480 تا 482)

پھر ایک ایسی وبا جسے دنیا آج بھی Third Pandemic (تیسری عظیم الشان وبا) کے طور پر یاد کرتی ہے، جس نے ایک اندازے کے مطابق بیسویں صدی کے آغاز میں ایک کروڑ بیس لاکھ زندگیاں چھین لیں۔ جس کی شدت میں کوئی علاج اس پر اس دور میں کارگر نہ ہوتا تھا۔ حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کپور تھلوی جو ایک عدالت میں ملازم تھے، روزانہ صحیح اور غلط کے فیصلے اپنے سامنے ہوتے دیکھتے تھے، وہ اس وبا سے متعلقہ ایک واقعہ کے بارہ میں فرماتے ہیں:

”ایک طالب علم محمد حیات نامی کو پلیگ ہو گیا۔ اس کو فوراً باغ میں بھیج کر علیحدہ کر دیا گیا۔ اور حضورؑ نے حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کو بھیجا کہ اس کو جا کر دیکھو۔ اسے چھ گلٹیاں نکلی ہوئی تھیں۔ اور بخار بہت سخت تھا اور پیشاب کے راستے خون آتا تھا۔ حضرت مولوی صاحب نے ظاہر کیا کہ رات رات میں اس کا مر جانا اغلب ہے۔ اس کے بعد ہم چند احباب حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ محمد حیات کی تکلیف اور مولوی صاحب کی رائے کا اظہار کر کے دعا کے لئے عرض کی کہ حضرت صاحب نے فرمایا میں دعا کرتا ہوں اور ہم سب روتے تھے۔ میں نے روتے روتے عرض کی کہ حضور دعا کا وقت نہیں سفارش فرمائیں۔ میری طرف مڑ کر دیکھ کر فرمایا۔ بہت اچھا مسجد کی چھت پر میں، منشی اروڑا صاحب اور محمد خان صاحب سوتے تھے۔ دو بجے رات کے حضرت صاحب اوپر تشریف لائے اور فرمایا حیات خان کا کیا حال ہے ہم میں سے کسی نے کہا کہ شاید مر گیا ہو فرمایا کہ جا کر دیکھو۔

اسی وقت ہم تینوں یا اور کوئی بھی ساتھ تھا باغ میں گئے۔ تو حیات خان قرآن شریف پڑھتا اور ٹہلتا پھرتا تھا۔ اور اس نے کہا میرے پاس آ جاؤ۔ میرے گلٹی اور بخار نہیں رہا۔ میں اچھا ہوں چنانچہ ہم اس کے پاس گئے تو کوئی شکایت اس کو باقی نہ تھی۔ ہم نے عرض کی کہ حضور اس کو تو بالکل آرام ہے۔ آپ نے فرمایا ساتھ کیوں نہیں لیتے آئے۔ پھر یاد نہیں وہ کس وقت آیا غالباً صبح کو آیا۔ چونکہ اس کے باپ کو تار دیا گیا تھا اور ہم تینوں یہ عظیم الشان معجزہ دیکھ کر اجازت لے کر قادیان سے روانہ ہو گئے۔ نہر پر اس کا باپ ملا۔ جو یکہ دوڑائے آ رہا تھا۔ اس نے ہمیں دیکھ کر پوچھا کہ حیات کا کیا حال ہے ہم نے یہ سارا قصہ سنایا وہ سنکر گر پڑا دیر میں اسے ہوش آیا۔ اور پھر وہ وضو کر کے نوافل پڑھنے لگ گیا اور ہم چلے آئے۔"(اصحاب احمد جلد 4 صفحہ 172,173)

حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی ہی ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں:۔

"ایک دفعہ مولوی محمد احسن صاحب امروہی اپنے ایک رشتہ دار کو امروہے سے قادیان ہمراہ لائے وہ شخص فربہ اندام 50،60 سال کی عمر کا ہو گا اور کانوں سے اس قدر بہرہ تھا کہ ایک ربڑ کی نلکی کانوں میں لگایا کرتا تھا۔ اور زور سے بولتے تو وہ قدرے سنتا۔ حضرت صاحب ایک دن تقریر فرما رہے تھے اور وہ بھی بیٹھا تھا۔ اس نے عرض کی کہ حضور مجھے بالکل سنائی نہیں دیتا میرے لئے دعا فرمائیں۔ کہ مجھے آپ کی تقریر سنائی دینے لگے۔ آپ نے دوران تقریر میں اس کی طرف روئے مبارک کر کے فرمایا کہ خدا قادر ہے۔ اسی وقت اس کی سماعت کھل گئی۔ اور وہ کہنے لگا حضور مجھے ساری تقریر آپ کی سنائی دیتی ہے۔ اور وہ شخص نہایت خوش ہوا اور نلکی ہٹا دی۔ اور پھر وہ سننے لگ گیا۔"(اصحاب احمد جلد 4 صفحہ 179)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"میرا مذہب یہ ہے کہ کوئی بیماری لا علاج نہیں۔ ہر ایک بیماری کا علاج ہو سکتا ہے جس مرض کو طبیب لاعلاج کہتا ہے اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ طبیب اس کے علاج سے آگاہ نہیں ہے۔ ہمارے تجربہ میں یہ بات آ چکی ہے کہ بہت سی بیماریوں کو اطباء اور ڈاکٹروں نے لاعلاج بیان کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اس سے شفا پانے کے واسطے بیمار کے لئے کوئی نہ کوئی راہ نکال دی بعض بیمار بالکل مایوس ہو جاتے ہیں۔ یہ غلطی ہے۔ خدا تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے اس کے ہاتھ میں سب شفا ہے۔

سیٹھ عبد الرحمن صاحب مدراس والے ایک ضعیف آدمی ہیں۔ ان کو مرض ذیابیطس بھی ہے اور ساتھ ہی کاربنکل نہایت خوفناک شکل میں نمودار ہوا اور پھر عمر بھی بڑھاپے کی ہے۔ ڈاکٹروں نے نہایت گھرا چیرہ دیا اور ان کی حالت نہایت خطرناک ہو گئی یہاں تک کہ ان کی نسبت خطرہ کے اظہار کے خطوط آنے لگے۔ تب میں نے

ان کے واسطے بہت دعا کی تو ایک روز اچانک ظہر کے وقت الہام ہوا ”آثار زندگی“ اس الہام کے بعد تھوڑی دیر میں مدراس سے تار آیا کہ اب سیٹھ صاحب موصوف کی حالت روبصحت ہے۔“(ملفوظات جلد5 صفحہ 59،60)

حضرت حکیم مفتی فضل الرحمن صاحبؓ جو خود ایک بڑے عالم آدمی تھے اور پریس کے نگران بھی تھے بیان فرماتے ہیں کہ 1907ء میں میرا دوسرا لڑکا عبد الحفیظ تولد ہوا۔ سردی کے ایام تھے۔ اور اِن دِنوں میں بہت زچہ عورتیں کزاز یعنی تشنج کی مرض سے مر رہی تھیں۔ زچہ کے لئے یہ مرض بہت خطرناک ہوتی ہے۔ سینکڑوں میں سے کوئی ایک بچتی ہوگی۔ میری بیوی کو بچہ تولد ہونے کے ساتویں دن مغرب کے قریب اس کے آثار معلوم ہوئے۔ چونکہ ان دنوں میں یہ وبا تھی۔ اس لئے اس کی طرف بہت توجہ ہوگئی۔ میں مغرب کے بعد حضرت صاحب کی خدمت میں دوڑا گیا اور ان سے عرض کی۔ آپ نے فرمایا یہ تو بڑی خطرناک مرض کا پیش خیمہ ہے۔ تم فوراً اس کو دس رتی ہینگ دے دو اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد مجھے اطلاع دو۔ میں عشاء کے بعد پھر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مرض میں ترقی ہوگئی ہے۔ فرمایا:- دس رتی کونین دیدو۔ اور ایک گھنٹہ کے بعد پھر مجھے اطلاع دو یہ نہ سمجھنا کہ میں سوگیا ہوں۔ بے تکلف مردانہ سیڑھیوں سے آواز دو۔ ایک گھنٹہ کے بعد میں پھر گیا اور عرض کیا کہ کوئی افاقہ نہیں ہے۔ فرمایا دس رتی مشک دے دو۔ میں نے عرض کیا اس وقت مشک کہاں سے لاؤں۔ حضور ایک مٹھی بھر کر مشک کی لے آئے فرمایا یہ دس رتی ہوگی میں نے عرض کیا کہ حضور یہ زیادہ ہے فرمایا لے جاؤ پھر کام آئے گا۔ میں نے وہ لی اور دس رتی مریضہ کو دے دی ایک گھنٹہ کے بعد میں پھر گیا اور عرض کیا کہ مرض میں بہت اضافہ ہوگیا ہے۔ فرمایا دس تولہ کسٹر آئل دے دو۔ میں نے آکر دس تولہ کسٹر آئل دے دیا۔ اس کے بعد اس کو بہت قے ہوئی۔ اور قے اس مرض میں آخری مرحلہ ہوتا ہے قے کے بعد اس کا سانس اکھڑ گیا۔ گردن پیچھے کو کھنچ گئی آنکھوں میں اندھیرا آگیا۔ اور زبان بند ہوگئی۔ پھر میں بھاگ کر سیڑھیوں پر چڑھا۔ حضور نے میری آواز سن کر دروازہ کھول دیا۔ اور فرمایا کیوں خیر ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اب تو حالت بہت نازک ہوگئی ہے سانس اکھڑ گیا ہے گردن کھنچ گئی ہے آنکھوں میں روشنی نہیں زبان بند ہوگئی ہے۔ فرمایا دنیا کے جتنے ہتھیار تھے وہ تو ہم نے چلا لئے اب ایک ہتھیار باقی ہے اور وہ دعا ہے۔ تم جاؤ میں دعا سے اس وقت سر اٹھاؤں گا جب اسے صحت ہوگی۔ میں یہ سن کر واپس لوٹ آیا اور اسے کہا۔ اب تجھے کیا فکر ہے۔ اب تو ٹھیکیدار نے خود ٹھیکہ لے لیا ہے اس وقت رات کے دو بج چکے تھے۔ میں گھر آیا اور مریضہ کو اسی حالت میں چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چارپائی لے کر سو رہا صبح کو کسی برتن کی آہٹ سے میری آنکھ کھلی جب میں نے دیکھا تو میری پائینتی کی طرف میری بیوی برتن درست کر رہی تھی۔ میں نے پوچھا کیا حال ہے۔ کہا آپ تو سورہے اور مجھے دو گھنٹہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے فضل کر دیا۔

(ماخوذ از سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام از شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ صفحہ 193،194)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ خدا تعالیٰ کو دیکھنے والے ایک اور بزرگ حضرت مولوی محمد الدینؓ صاحب بیان کرتے ہیں:-

"1901ء میں سخت بیمار ہو گیا قریباً ایک سال سے زائد عرصہ تک ڈاکٹروں اور حکیموں کا علاج کرنا پڑا لیکن مجھے کچھ فائدہ نہیں ہوا ان دنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا مطالعہ کر رہا تھا مجھے میرے مکرم و معظم و محسن بزرگ منشی تاج الدین صاحب مرحوم پنشنر اکاؤنٹنٹ نے قادیان آنے کا مشورہ دیا۔ مجھے سٹیشن پر آکر گاڑی میں خود سوار کر کے گئے۔ میں قادیان پہنچا اور پہلے پہل میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جمعہ کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلتے ہوئے دیکھا میری طبیعت نے فیصلہ کر لیا کہ یہ منہ تو جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔ بعد میں حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بیماری کا حال سنایا آپ نے میرا ناسور دیکھ کر حیرانگی کا اظہار کیا اور کہا کہ اس کا رخ دل کی طرف ہو گیا ہے۔ مجھے فرمایا کہ اس کے لئے دوا کی نسبت دعا کی ضرورت زیادہ ہے۔ مجھے بتلایا کہ مسجد مبارک میں ایک خاص جگہ بیٹھنا میں خود تمہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاؤں گا اور تمہارے متعلق دعا کے لئے عرض کروں گا میں اس دریچہ کے پاس بیٹھ گیا جہاں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے تشریف لایا کرتے تھے حضرت مولوی صاحب بڑھے اور مجھے پکڑ کر حضرت صاحب کے سامنے کر دیا۔ میرے مرض کے متعلق صرف اتنا کہا کہ بہت خطرناک ہے میں نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا چہرہ ہمدردی سے بھرا ہوا تھا۔ مجھ سے حضور نے دریافت کیا کہ "یہ تکلیف آپ کو کب سے ہے" میں تیرہ ماہ سے اس دکھ میں مبتلا تھا۔ لوگ آرام کی نیند سویا کرتے تھے لیکن مجھے درد چین نہیں لینے دیتی تھی اس لئے میں اپنے مکان کے بالا خانہ پر ٹہلا کرتا تھا اور میرے ارد گرد سونے والے خواب راحت میں پڑے ہوتے تھے۔ میں نے مہینوں راتیں رو کر اور ٹہل کر کاٹی ہوئی تھیں۔ حضرت کے ان ہمدردانہ و محبت آمیز کلمات نے چشم پُر آب کر دیا۔ شکل تو دیکھ چکا تھا۔ اتنے بڑے انسان کا مجھ ناچیز کو "آپ" کے لفظ محبت آمیز و کمال ہمدردانہ لہجہ میں مخاطب کرنا ایک بجلی کا اثر رکھتا تھا۔ میں اپنی بساط کو جانتا تھا میری حالت یہ تھی۔ محض ایک لڑکا میلے اور پرانے دریدہ وضع کپڑے چھوٹے درجہ و چھوٹی قوم کا آدمی میرے منہ سے لفظ نہ نکلا سوائے اس کے کہ آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت نے یہ حالت دیکھ کر سوال نہ دہرایا مجھے کہا کہ "میں تمہارے لئے دعا کروں گا فکر مت کرو۔ انشاء اللہ اچھے ہو جاؤ گے۔" مجھے اس وقت اطمینان ہو گیا کہ اب اچھا ہو جاؤں گا۔ پھر میں حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں آیا تو صرف آپ نے ذرہ بھر خوراک جدوار کی میرے لئے تجویز فرمائی اور اتنی مقدار مجھے کہا کہ پتھر پر گھس کر اس ناسور پر لگا دیا کروں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مجھے افاقہ ہو گیا اور ایک مہینہ میں

اچھا ہو گیا۔ یہ پہلا واقعہ ہے کہ مجھے حضرت سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اور میری خوش قسمتی مجھے بیمار کر کے قادیان میں لے آئی۔ چنانچہ میں نے وطن کو خیر باد کہہ کر قادیان کی رہائش اختیار کرلی۔ اس کے بعد میری شامت اعمال مجھ پر پھر سوار ہوئی حضرت نے لکھا کہ جو شخص سچے دل اور پورے اخلاص کے ساتھ تقویٰ کی راہ پر قدم مارتا ہے اور آپ کا سچا مرید ہے اس کو طاعون نہ چھوئے گی۔ لیکن میں ہی نابکار نکلا جو احمدیوں میں سے طاعون میں مبتلا ہوا حالانکہ ہندوؤں اور غیر احمدیوں میں سے پچیس پچیس آدمی روز مرے۔ لیکن باوجود اس امر کے کہ میرا وجود ''بدنام کنندہ نکونامے چند'' تھا۔ تاہم حضرت کی خدمت میں مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے عرض کیا کہ اس کا باپ بھی اس کو لینے آیا تھا لیکن اس نے قادیان چھوڑنا پسند نہیں کیا۔ حضرت نے باوجود اس سخت کمزوری کے میرے لئے دعا کی اور دوا بھی خود ہی تجویز فرمائی چنانچہ مجھے معلوم ہوا کہ حضور خود بکمال مہربانی سے اپنے ہاتھوں روزانہ دوائی تیار کر کے بھیجتے ہیں اور دو تین وقت روزانہ میری خبر منگواتے، یہ کمال شفقت ایک گمنام شخص کے لئے جو نہ دنیوی اور دینی لیاقت رکھتا نہ کوئی دینی یا دنیوی وجاہت ایک ادنیٰ اور ذلیل خادموں میں سے تھا۔ میرا ایمان ہے کہ میں آپ کی دعاؤں سے ہی بچ گیا ورنہ جن دنوں میں بیمار ہوا طاعونی مادہ ایسا زہریلا تھا کہ شاذ ہی لوگ بچتے تھے۔ میرے لئے یہ اخلاق کریمانہ قولی اور فعلی ایسے تھے کہ نَقْشٌ کَالْحَجَر۔ مجھے یہ محبت و شفقت اپنے گھر میں ڈھونڈنے سے بھی نہ ملی تھی اس لئے میں تو گرویدہ حسن واحسان ہو گیا۔ اب میری یہی دعا ہے کہ میرا انجام بخیر ہو جائے۔ میں اپنے اس محسن و محبوب سے مر کر بھی جدا نہ ہوں۔ آمین یارب العالمین۔''

(سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد دوم از حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحبؓ صفحہ 175 تا 177)

محترم میاں نذیر حسین صاحب ابن حکیم مرہم عیسیٰ صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت میاں چراغ دین صاحبؓ کے ہاں پہلا بچہ یعنی ہمارے والد صاحب حضرت حکیم مرہم عیسیٰ صاحب پیدا ہوئے۔ تو آپ پانچ سال کی عمر تک نہ بولنا سیکھے نہ چلنا۔ اس پر ایک روز جب کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور تشریف لائے ہوئے تھے ہمارے دادا محترم نے حضرت صاحب سے عرض کی کہ حضور میرا صرف ایک ہی لڑکا ہے اور وہ بھی گونگا اور لُنجا ہے۔ حضور دعا فرماویں کہ وہ تندرست ہو جائے۔ حضور نے فرمایا میاں صاحب اس بچے کو لے آئیں چنانچہ حضور نے محترم حکیم صاحب کو اپنی گود میں لے کر ایک لمبی دعا کی۔ اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ چاہے گا تو یہ بچہ درست ہو جائے گا۔ چنانچہ جب حضور دوبارہ لاہور تشریف لائے تو حضرت میاں چراغ دین صاحب سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے ہماری دعا قبول فرمالی ہے۔ آپ کا یہ بچہ بڑا بولنے والا اور چلنے والا ہو گا خاکسار عرض کرتا ہے کہ ہم نے حضرت حکیم صاحب کو اسی نوے سال کی عمر میں بھی اس قدر اونچا اور مسلسل بولتے دیکھا

ہے کہ ہم حیران رہ جاتے تھے۔

محترم ماسٹر نذیر حسین صاحب ہی کا بیان ہے کہ ہمارے والد صاحب کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد ہمارے دادا صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ حضور دعا فرماویں کہ خدا مجھے اور بھی لڑکے عطا فرمائے۔ چنانچہ حضور نے دعا کا وعدہ فرمایا اور جب دوبارہ لاہور میں تشریف لائے تو حضرت میاں چراغدین صاحب کو یہ خوشخبری سنائی کہ خدا تعالیٰ آپ کو پانچ لڑکے اور دے گا اور آپ کی وفات تک آپ کے پانچ لڑکے زندہ رہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ہمارے والد صاحب کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو مندرجہ ذیل لڑکے اور دیئے۔

حضرت میاں عبدالعزیز صاحب مغل۔ میاں عبدالرحیم صاحب، میاں عبدالمجید صاحب، میاں عبدالرشید صاحب اور میاں محمد سعید صاحب سعدی، میاں عبدالرحیم صاحب تو بچپن میں وفات پا گئے مگر باقی پانچ لڑکے حضرت میاں چراغ دین صاحب کی وفات تک زندہ تھے۔(تاریخ احمدیت لاہور صفحہ 167)

حضرت شیخ عطاء اللہ صاحبؓ نومسلم بیان کرتے ہیں:

"میں محکمہ ٹیلیگراف میں ملازم تھا تپ دق سے بیمار ہو گیا۔ دو ماہ رخصت حاصل کر کے قادیان چلا گیا۔ حضرت مولانا حکیم صاحب کے دولت خانہ میں رہتا تھا کیونکہ انہوں نے مجھے جموں میں مشرف باسلام کیا تھا۔ اس روحانی تعلق کی وجہ سے بڑی محبت کے ساتھ علاج کے لئے صبح سویرے پہلے کھچڑی چاولوں کی اور بعد کو معاً ایک انڈا ابلا ہوا کھلا کر دوائی دیتے تھے اور رات کو اول دال مونگی کے ساتھ روٹی دیتے تھے۔ میری زبان کا ذائقہ بالکل خراب ہو گیا تھا۔ ایک روز میں نے محترمہ اماں جی والدۂ مولوی عبدالسلام سے التجا کی کہ اماں جی! میرے منہ کا ذائقہ خراب رہتا ہے۔ اگر کچھ شوربا یا کوئی نمکین چیز ہو۔ تو یقیناً ذائقہ درست ہو جائے گا (انشاء اللہ) فرمایا مولوی صاحب ناراض ہو جائیں گے۔ مگر انہوں نے میرے اصرار پر ایک کپڑے سے مرچوں کو چھان کر مجھے پلا دیا حسب دستور علی الصبح مولوی صاحب نے میری نبض دیکھی جو بڑی تیزی سے حرکت کر رہی تھی۔ حیران ہو کر فرمایا رات کیا کھایا تھا؟ میں نے کہا کچھ نہیں۔ آپ درس بخاری کو چھوڑ کر دوڑے ہوئے گھر گئے۔ دریافت فرمایا کہ رات کو عطاء اللہ نے کیا کھایا۔ انہوں نے کہا کھانے کے بعد اس نے ضد کر کے تھوڑا سا شوربا پیا تھا۔ اس پر حضور ان پر بھی ناراض ہوئے کہ شوربا کیوں دیا اور مجھ پر بھی کہ جھوٹ کیوں بولا۔

حضرت مولوی صاحب نے میری دروغگوئی اور بدپرہیزی کا حضرت صاحب سے بھی ذکر کر دیا۔ نیز مجھے کہا کہ حضرت صاحب کے پاس جوارِش ہے اگر آپ کو کچھ دستیاب ہو جائے تو یہ کمزوری دور ہو جائے گی۔ میں

نے جرأت کر کے حضرت سے مانگ لی۔ فرمایا کہ آپ بہت بدپرہیز ہیں اس لئے آپ کو یہ دوائی نہیں مل سکتی میں شرمندہ ہو کر مسجد سے چلا گیا حضرت مولوی صاحب کو میری صحت کا بہت فکر رہتا تھا بہت ادویات وغیرہ بنا کر مجھے دیں۔ فرمایا کہ دعائیں کریں اور دوا بھی استعمال کریں میں بھی انشاء اللہ آپ کیلئے دعا کروں گا۔

پھر میں حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا کہ میں اب واپس جاتا ہوں۔ رخصت ختم ہو گئی ہے صحت خراب ہو گئی ہے دعا فرماویں۔ فرمایا: آپ نمازوں میں عاجزی انکساری اور اضطراب سے دعائیں کیا کریں اور خط ضرور لکھتے رہا کریں بدپرہیزی کو چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور پختہ وعدہ کریں اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ انشاء اللہ صحت دے گا۔

جب میں راولپنڈی گیا تو رات کے 1:30 بجے کے قریب مجھے ایک رویا کسی غیر زبان میں ہوئی جس کو میں نہ سمجھ سکتا تھا۔ حیران ہو کر پھر اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کی کہ اے اللہ! تو سب زبانوں پر قدرت رکھتا ہے مجھے سمجھ عطا فرما کہ یہ کیا خواب تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے رات کے 2:30 بجے کے قریب بلند آواز سے میری زبان پر جاری کرا دیا کہ

Healthy, Healthy, Healthy.

اس تین بار کی آواز نے مجھے بیدار کر دیا کہ صحت ہو گئی ہے۔ پس میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں سے قریباً بیس پچیس برس تک کبھی سر درد سے بھی بیمار نہیں ہوا۔ اور دیگر آپ کی دعاؤں کے طفیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسے سامان مہیا ہو گئے کہ متواتر چھ سال کے بعد صحت یاب ہونے پر اولاد پیدا ہونی شروع ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے تین لڑکے اور چار لڑکیاں عطا فرمائیں۔ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں اور قوت قدسی سے فیضان، روحانیت، تقویٰ، طہارت اور نور ایمان میں ترقی ہوئی اور نور یقین میں اضافہ ہوا۔" (تاریخ احمدیت لاہور صفحہ 182،183)

مکرم شیخ عبد القادر صاحب مؤلف تاریخ احمدیت لاہور محترم ڈاکٹر بشارت احمد صاحب (غیر مبائع) جو خود بھی ایک سند یافتہ ڈاکٹر اور جانے مانے معالج تھے، کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "ان کو یہ اطلاع ملی کہ آپ کا لڑکا ممتاز احمد جو اس وقت دو سال کا تھا بعارضہ ٹائیفائیڈ فیور سخت بیمار ہے تو آپ گھبرا گئے۔ ایک ہفتہ کی رخصت لے کر گھر پہنچے مگر رخصت ختم ہوئی اور بچے کے بخار میں ذرہ بھر افاقہ نہ ہوا۔ بیگم صاحبہ نے کہا گورداسپور تو جانا ہی ہے قادیان میں جا کر حضرت مرزا صاحب سے دعا ہی کروالو۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ فضل کر دے بیوی کے یہ الفاظ سن کر قادیان کی راہ لی۔ دو بجے رات قادیان پہنچے دیکھا کہ مسجد مبارک تہجد گزار

لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ اور حضرت اقدس اندر تہجد پڑھ رہے ہیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر بے حد اثر ہوا۔ اپنے پرانے رفیق حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے آپ کو حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کیا۔ پس حضور کو دیکھتے ہی سارے شکوک و شبہات کافور ہو گئے علیحدگی میں ملاقات کی۔ وظیفہ پوچھا تو فرمایا ”یہی نمازیں سنوار سنوار کر پڑھو اور سمجھ سمجھ کر پڑھا کرو“ حضور کی یہ تلقین سن کر دل پر خاص اثر ہوا۔ بچے کی صحت کے لئے دعا کی درخواست کی حضور نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعا فرمادی بیعت کر کے ڈیوٹی پر شکر گڑھ پہنچے۔ تیسرے روز خط ملا جس میں لکھا تھا کہ لڑکا بالکل اچھا ہے۔ ہرگز کوئی فکر نہ کریں۔ رخصت لے کر گھر پہنچے پتہ چلا کہ جس روز صبح حضرت اقدس سے دعا کروائی تھی اس روز حالت بہت خراب تھی مگر پچھلی رات اچانک بخار اتر گیا۔ معالج ڈاکٹر کو جب اطلاع ہوئی تو وہ مانتا ہی نہ تھا مگر جب اس نے خود آ کر ٹمپریچر لیا اور نبض دیکھی تو حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ یہ تو کوئی اعجاز مسیحائی ہے کہ مردہ زندہ ہو گیا۔“ (تاریخ احمدیت لاہور صفحہ 306،305)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے لکھتے ہیں:

”بیان کیا مجھ سے منشی عطا محمد صاحب پٹواری نے کہ جب میں غیر احمدی تھا اور ونجواں ضلع گورداسپور میں پٹواری ہوتا تھا تو قاضی نعمت اللہ صاحب خطیب بٹالوی جن کے ساتھ میرا ملنا جلنا تھا مجھے حضرت صاحب کے متعلق بہت تبلیغ کیا کرتے تھے۔ مگر میں پروا نہیں کرتا تھا۔ ایک دن انہوں نے مجھے بہت تنگ کیا میں نے کہا اچھا میں تمہارے مرزا کو خط لکھ کر ایک بات کے متعلق دعا کراتا ہوں اگر وہ کام ہو گیا تو میں سمجھ لوں گا کہ وہ سچے ہیں۔ چنانچہ میں نے حضرت صاحب کو خط لکھا کہ آپ مسیح موعود اور ولی اللہ ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں اور ولیوں کی دعائیں سنی جاتی ہیں۔ آپ میرے لئے دعا کریں کہ خدا مجھے خوبصورت صاحب اقبال لڑکا جس بیوی سے میں چاہوں عطا کرے اور نیچے میں نے لکھ دیا کہ میری تین بیویاں ہیں مگر کئی سال ہو گئے آج تک کسی کے اولاد نہیں ہوئی۔ میں چاہتا ہوں کہ بڑی بیوی کے بطن سے لڑکا ہو۔ حضرت صاحب کی طرف سے مجھے مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط گیا کہ مولا کے حضور دعا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو فرزندِ ارجمند صاحبِ اِقبال خوبصورت لڑکا جس بیوی سے آپ چاہتے ہیں عطا کرے گا مگر شرط یہ کہ آپ زکریا والی توبہ کریں۔ منشی عطا محمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں ان دنوں سخت بے دین اور شرابی کبابی راشی مرتشی ہوتا تھا۔ چنانچہ میں نے جب مسجد میں جا کر ملاں سے پوچھا کہ زکریا والی توبہ کیسی تھی تو لوگوں نے تعجب کیا کہ یہ شیطان مسجد میں کس طرح آ گیا ہے مگر وہ ملاں مجھے جواب نہ دے سکا۔ پھر میں نے دھرم کوٹ کے مولوی فتح دین صاحب مرحوم احمدی سے پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ زکریا والی توبہ بس یہی ہے کہ بے دینی چھوڑ دو، حلال کھاؤ، نماز روزہ کے پابند ہو جاؤ اور مسجد میں زیادہ

آیا جایا کرو۔ یہ سن کر میں نے ایسا کرنا شروع کر دیا۔ شراب وغیرہ چھوڑ دی اور رشوت بھی بالکل ترک کر دی اور صلوٰۃ وصوم کا پابند ہو گیا۔ چار پانچ ماہ کا عرصہ گذرا ہو گا کہ میں ایک دن گھر گیا تو اپنی بڑی بیوی کو روتے ہوئے پایا۔ سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ پہلے مجھ پر یہ مصیبت تھی کہ میرے اولاد نہیں ہوتی تھی۔ آپ نے میرے پر دو بیویاں کی۔ اب یہ مصیبت آئی ہے کہ میرے حیض آنا بند ہو گیا ہے۔ (گویا اولاد کی کوئی امید ہی نہیں رہی) ان دنوں میں اس کا بھائی امرت سر میں تھانہ دار تھا۔ چنانچہ اس نے مجھے کہا کہ مجھے میرے بھائی کے پاس بھیج دو کہ میں کچھ علاج کراؤں۔ میں نے کہا وہاں کیا جاؤ گی۔ یہیں دائی کو بلوا کر دکھلاؤ اور اس کا علاج کرواؤ۔ چنانچہ اس نے دائی کو بلوایا اور کہا کہ مجھے کچھ دوا وغیرہ دو۔ دائی نے سرسری دیکھ کر کہا میں تو دوا نہیں دیتی نہ ہاتھ لگاتی ہوں کیونکہ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا تیرے اندر بھول گیا ہے۔...... مگر میں نے اسے کہا کہ ایسا نہ کہو بلکہ میں نے مرزا صاحب سے دعا کروائی تھی۔ پھر منشی صاحب بیان کرتے ہیں کہ کچھ عرصہ میں حمل کے پورے آثار ظاہر ہو گئے اور میں نے ارد گرد سب کو کہنا شروع کیا کہ دیکھ لینا اب کہ میرے لڑکا پیدا ہو گا اور ہو گا بھی خوبصورت مگر لوگ بڑا تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر ایسا ہو گیا تو واقعی بڑی کرامت ہے۔ آخر ایک دن رات کے وقت لڑکا پیدا ہوا اور خوبصورت ہوا۔ میں اسی وقت دھرم کوٹ بھاگا گیا جہاں میرے کئی رشتہ دار تھے اور لوگوں کو اس کی پیدائش سے اطلاع دی۔ چنانچہ کئی لوگ اسی وقت بیعت کے لئے قادیان روانہ ہو گئے مگر بعض نہیں گئے اور پھر اس واقعہ پر ونجواں کے بھی بہت سے لوگوں نے بیعت کی اور میں نے بھی بیعت کر لی اور لڑکے کا نام عبد الحق رکھا۔"

(سیرت المہدی حصہ اول روایت نمبر 236 صفحہ 220 تا 222)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں سے دعاؤں کی قبولیت میں سے معجزانہ شفا سے متعلق صرف چند واقعات اس مضمون میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ واقعات محض تاریخی حکایات یا عقیدت کی کہانیاں نہیں بلکہ زندہ شہادتیں ہیں جو اس حقیقت کو روشن کر دیتی ہیں کہ خدا تعالیٰ آج بھی زندہ ہے اور اپنے برگزیدہ بندوں کے ذریعہ اپنی قدرت کے نشانات ظاہر کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں کی قبولیت کے یہ حیرت انگیز واقعات، جن میں لاعلاج بیماریوں کا شفا پانا، ناامید انسانوں کا امید سے بھر جانا اور ناممکن دکھائی دینے والے حالات کا بدل جانا شامل ہے، اس امر کا ناقابلِ تردید ثبوت ہیں کہ ایک قادر و توانا ہستی اس کائنات پر حکمران ہے جو اپنے بندوں کی فریاد سنتی اور ان کی مدد فرماتی ہے۔

اگر یہ واقعات صرف ایک یا دو افراد تک محدود ہوتے تو شاید کوئی انہیں اتفاق یا مبالغہ قرار دے سکتا تھا، لیکن جب مختلف علاقوں، مختلف زمانوں اور مختلف مزاجوں کے بے شمار لوگوں نے اپنی آنکھوں سے ان نشانات

کو دیکھا اور نہ صرف یہ کہ ان کا تجربہ کیا بلکہ اسی زمانہ میں خود ان کی شہادت بھی دے دی تو یہ شہادت ایک ناقابلِ انکار حقیقت بن گئی۔ یہ واقعات مل کر اس اعلان کو تازہ کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ صرف ایک فلسفیانہ تصور یا دور کی ہستی نہیں بلکہ ایک زندہ، سننے والا اور جواب دینے والا خدا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قبولیتِ دعا کے یہ روشن نشانات دراصل انسانیت کے لیے ایک دعوت ہیں۔۔۔دعوت اس بات کی کہ وہ اپنے خالق کو پہچانے، اس کی طرف رجوع کرے اور اس کے ساتھ زندہ تعلق قائم کرے۔ کیونکہ جب انسان سچے دل سے خدا تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے تو وہی خدا جو اپنے برگزیدہ بندوں کی دعائیں سنتا ہے، ہر سچے متلاشی کے لیے بھی اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

پس یہ واقعات ہمیں یہی پیغام دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ہستی کوئی مبہم یا نظریاتی مسئلہ نہیں بلکہ ایک زندہ حقیقت ہے، اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قبولیتِ دعا اس زندہ حقیقت کا ایک روشن، واضح اور ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

ہمارے پیارے امام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس دعا کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"دعا کی حقیقت کیا ہے؟ اُس کی فلاسفی کیا ہے؟ اِس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اقتباس پڑھتا ہوں۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ "جو شخص مشکل اور مصیبت کے وقت خدا سے دعا کرتا ہے اور اس سے حلِّ مشکلات چاہتا ہے وہ بشرطیکہ دعا کو کمال تک پہنچادے خدا تعالیٰ سے اطمینان اور حقیقی خوشحالی پاتا ہے۔ اور اگر بالفرض وہ مطلب اس کو نہ ملے تب بھی کسی اور قسم کی تسلّی اور سکینت خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کو عنایت ہوتی ہے۔ اور ہرگز ہرگز نامراد نہیں رہتا۔ اور علاوہ کامیابی کے ایمانی قوت اس کی ترقی پکڑتی ہے اور یقین بڑھتا ہے۔ لیکن جو شخص دعا کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف مونہہ نہیں کرتا وہ ہمیشہ اندھا رہتا ہے اور اندھا مرتا ہے۔" فرمایا "ہماری اس تقریر میں اُن نادانوں کا جواب کافی طور پر ہے جو اپنی نظرِ خطا کار کی وجہ سے" (یعنی غلط سوچ رکھنے اور ظاہری طور پر دیکھنے کی وجہ سے) "یہ اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ بہتیرے ایسے آدمی نظر آتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ وہ اپنے حال اور قال سے دعا میں فنا ہوتے ہیں" (یعنی اُن کی اپنی حالت بھی یہ ہوتی ہے، اور کہتے بھی یہی ہیں کہ دعا کر رہے ہیں اور دعا کی کیفیت بھی ہوتی ہے، اُس میں فنا ہوتے ہیں) "پھر بھی اپنے مقاصد میں نامراد رہتے اور نامراد مرتے ہیں۔" (یعنی اُن کے مقاصد، جو وہ چاہتے ہیں، اُن کو نہیں ملتے) "اور بمقابل ان کے ایک اور شخص ہوتا ہے کہ نہ دعا کا قائل نہ خدا کا قائل وہ ان پر فتح پاتا ہے۔" (یعنی اُس کو سب کچھ مل جاتا ہے) "اور بڑی بڑی کامیابیاں اس کو حاصل ہوتی ہیں۔ سو جیسا کہ ابھی میں نے اشارہ کیا ہے اصل مطلب دعا سے اطمینان اور تسلی اور حقیقی خوشحالی کا پانا ہے۔ ظاہر بین تو یہ دیکھتا ہے کہ ایک شخص جس مقصد کے لئے دعا کر رہا تھا اُس کو حاصل نہیں ہوئی لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک تو پہلی شرط یہ رکھی ہے، دعا کو کمال تک پہنچانا۔ اور جو حقیقت میں دعا کرتا ہے وہ صرف ظاہری چیز کو نہیں دیکھتا۔ جو مومن ہے، جس میں مومنانہ فراست ہے جو خدا تعالیٰ کے تعلق کو جانتا ہے وہ صرف یہ نہیں دیکھتا کہ میں جو مانگ رہا ہوں مجھے مل گیا بلکہ فرمایا کہ اطمینان اور حقیقی خوشحالی پاتا ہے۔"

(انتخاب از خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ 8 مارچ 2013ء)

Monthly

MUWĀZNA-E-MADHĀHIB

ISSN: 20491131

Editor: Mahfooz ur Rehman

AUGUST 2026 | ZAHOOR 1405(HS)| SAFAR 1448(HQ)| VOL.15 NO.08

Publishers: Additional Wakalat Tasneef
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, GU9 9PS, UK
Email: office@tasneef.co.uk

https://www.alislam.org/periodical/muwazna-e-madhahib